وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۱۹ شمارہ نمبر ۲ صفر المظفر ۱۴۴۳ھ اکتوبر ۲۰۲۱ء

بیاد
شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر
مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ: مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

افغانستان میں طالبان کی عظیم الشان فتح	کلمۃ المدیر	۳
موت وحیات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے	مولانا محمد اَحمد حافظ	۷
نماز کی سننِ قبلیہ وبعدیہ: اہمیت وفضیلت!	مولانا عبدالقوی ذکی حسامی	۱۴
امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی الجامع الصحیح	مولانا بدرالحسن القاسمی	۱۸
حدیثی خدمات کی متنوع جہات	ترجمہ وترتیب: مولانا محمد یاسر عبداللہ	۲۴
عصری تعلیم اور دینی مدارس	مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی	۳۷
عالی نسبتوں کے پیکر، اک مردِ قلندر شیخ اسکندر	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۴۲
شیخ الحدیث حضرت مولانا سید غلام نبی شاہ صاحبؒ	مولانا غلام مصطفیٰ رفیق	۵۶
وفیات	ادارہ	۶۱
تبصرہ کتب	مولانا محمد اَحمد حافظ	۶۳

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 30 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 360 روپے

افغانستان میں طالبان کی عظیم الشان فتح

افغان باقی کہسار باقی، الحکم للہ الملک للہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

تمام حمد وثنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے، درود وسلام ہو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی پاکیزہ آل پر اور آپ کے پاک نفس صحابہ پر!

الحمد للہ والشکر للہ!..... ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں طالبان مجاھدین کو جارح امریکا کے خلاف عظیم الشان فتح حاصل ہوئی ہے۔ امریکا کے اتحادی ممالک تو پہلے ہی ایک ایک کر کے افغانستان سے نکل گئے تھے، ماہ جون کی ایک سیاہ رات امریکا نے افغانستان میں اپنا سب سے بڑا اڈا بگرام ائیربیس بھی اچانک خالی کر دیا۔ اس دوران طالبان کی پیش قدمی برابر جاری رہی اور ۱۵/اگست تک کابل وقندھار سمیت پورے افغانستان پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ایک ماہ سے بھی کم مدت میں پورے افغانستان کا کنٹرول حاصل کرنے پر پوری دنیا کے سیاسی اور عسکری تجزیہ نگار ششدر ہیں، جبکہ یہ بات بھی معلوم ہے کہ امریکا نے پچھلے بیس برس کے دوران افغان فوج کی تربیت اور اسے جدید عسکری ساز وسامان سے لیس کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ اس کے باوجود امریکا کے افغانستان سے نکلنے کے بعد اسی کے ہاتھوں تیار کردہ فوج ریت کی دیوار ثابت ہوئی۔

یہ ۲۰/برس اُدھر کی بات ہے، اکتوبر ۲۰۰۱ء میں امریکا نے کسی بدمست ہاتھی کی طرح چھپن ستاون ملکوں کے ساتھ مل کر افغانستان پر یلغار کی تھی۔ اب تک کی معلوم جنگی تاریخ کے مطابق مہنگی ترین جنگ کا آغاز ہوا تھا۔ جدید ترین ٹیکنالوجی اور جنگی آلات، بی باون طیاروں کی کارپٹ بمباریاں، ڈیزی کٹر بموں کے حملے، بہیمانہ قتل وغارت، لوٹ مار اور شہروں، بستیوں کی بربادیاں تھیں..... غرض ایک قیامت صغریٰ تھی جو افغانوں پر ٹوٹ پڑی تھی۔ امریکا جس تام جھام اور لاؤلشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا اس کے نتیجے میں بے سروسامان طالبان کی پسپائی یقینی تھی۔ امریکا نے افغانستان میں اپنے قدم جماتے ہی کابل، بگرام، قندھار، گوانتانا موبے اور جانے کہاں کہاں بدنام زمانہ خفیہ عقوبت خانے تعمیر کیے، وہاں مجاہدین پر ظلم وستم کے جو حربے آزمائے گئے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے منہ میں پیٹرول ڈال کر آگ لگائی گئی، زندہ جلائے گئے، گلے کاٹ کر ان کے تڑپتے لاشوں کے رقص کا نظارہ کیا گیا، ہزاروں کو کنٹینروں میں بند کر کے قتل کیا گیا۔ انہیں جانوروں جتنے حقوق کا اہل بھی نہیں سمجھا گیا۔

ان تمام تر ستم رانیوں کے باوجود ایمان وعزم، ہمت وحوصلے سے سرشار طالبان مجاہدین نے امریکی سامراج کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا۔ مزاحمت کا وہ طویل دور شروع ہوا جو تقریباً ۲۱ ربرس پر محیط رہا۔ اس دوران بے شمار نشیب وفراز آئے، مگر مجاہدین نے مزاحمت کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ صفحۂ ہستی پر شجاعت و بہادری، مقاومت اور مقابلے کی ایسی نادر مثالیں پیش کیں کہ عقلیں دنگ رہ گئیں۔ ان مجاہدین نے روکھی سوکھی کھا کر، پاپیادہ ہونے اور بے سروسامانی کی کیفیت میں بھی محض اللہ کے بھروسے پر زبردست مقابلہ کیا۔ الحمدللہ.....اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت شامل حال رہی اور جارح امریکا کو سراسیمگی کی حالت میں افغانستان سے رخصت ہونا پڑا۔

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جب ایک مرتبہ فتح کے سفید پرچم لہرائے تو پھر لہراتے ہی چلے گئے۔ ایک ایک کر کے صوبے اور شہر فتح ہوتے گئے۔ بالآخر چند دنوں میں ہی کابل وقندھار، ھرات اور مزار شریف جیسے اہم ترین شہر فتح ہوگئے، حتیٰ کہ مجاہدین نے افغانستان کی ناقابل تسخیر سمجھی جانے والی وادی ''پنج شیر'' کو بھی جالیا۔ بلاشبہ یہ عظیم الشان فتح اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ہے۔

اس عظیم الشان فتح پر طالبان مجاہدین، افغان قوم، اور پوری امت مسلمہ مبارک باد کی مستحق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طالبان قیادت نے امریکا کو صرف عسکری شکست نہیں دی بلکہ سیاسی، سفارتی اور اخلاقی سطح پر بھی زبردست مات دی ہے۔ الحمدللہ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ طالبان فتح کے نشے، کسی قسم کی خونریزی اور تکبر وانانیت میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اپنے تمام مخالفین کو؛ جن میں ان کے بدترین خونی دشمن بھی شامل ہیں، سب کے لیے عام معافی کا اعلان کیا۔ آئندہ کے لیے سب کو ساتھ لے کر چلنے اور افغانستان کی تعمیر نو میں حصہ لینے کا پیغام دیا۔ کابل کی فتح کے بعد طالبان کے مرکزی رہنما جناب ملا عبدالغنی برادر نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ.....

> ''یہ فتح محض اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے، اس نے ہمیں ایسی کامیابی دی جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی، انہوں نے افغان قوم کو مبارک باد دیتے ہوئے طالبان جوانوں کو تلقین کی کہ وہ بجائے غرور اور فخر کے عجز وانکسار اختیار کریں، اللہ کا شکر ادا کریں، اس کے حضور سجدہ ریز ہوں، جنگ ختم ہونے کے بعد اصل امتحان اب شروع ہوا ہے، امن کے قیام، لوگوں کے جان ومال کے تحفظ اور افغان قوم کی بحالی کی بھاری ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوچکی ہیں؛ جنہیں ہم ہر ممکن طریقے سے نبھانے کی کوشش کریں گے۔''

یہ محض زبانی کلامی بات نہیں تھی بلکہ انہوں نے عملاً اسے کر کے دکھایا، کسی کی جان، مال، عزت وآبرو پر نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالی گئی، حالانکہ انہی طالبان کو جب ۲۰۰۱ء میں انہیں پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی تو امریکا، اس کے اتحادیوں اور مقامی وارلارڈز نے جو مظالم ڈھائے وہ تاریخ کے صفحات میں نقش ہیں۔ اس پس منظر میں طالبان کی

جانب سے عام معافی کا اعلان غیر معمولی اقدام ہے۔ مکہ کی عظیم فتح کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عام معافی کا اعلان کر کے امت کے لیے اسوہ چھوڑا تھا.....شاید اس عظیم سنت پر فتح کابل کے بعد عمل کیا گیا ہے۔ کابل کی پرامن فتح طالبان کی ایسی سیاسی کامیابی ہے جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ امریکی جارحیت کے اثرات صرف افغانستان تک محدود نہیں رہے تھے بلکہ پاکستان تک بھی پہنچے۔ یہاں کی دینی قیادت، دینی جماعتیں اور دینی مدارس بھی اس جنگ کی لپیٹ میں آئے۔ پاکستان کی دینی قیادت کو ہدف بنایا گیا، مولانا محمد عبداللہ شہید، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید، مولانا مفتی نظام الدین شہید، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید، مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید، مولانا سمیع الحق شہید.....غرض ایک طویل فہرست ہے علماء کی جنہیں صرف اس لیے مظلومانہ شہید کیا گیا کہ وہ امریکی عزائم کی راہ میں رکاوٹ تھے۔

امریکا اور اس کی پروردہ این جی اوز اور ذرائع ابلاغ نے دنیا کو باور کرایا کہ پاکستان کے دینی مدارس دہشت گردی کے پشتی بان ہیں۔ چناں چہ اولاً دینی مدارس کے وجود کو ہی ختم کرنے کی کوشش کی گئی، جب ایسا نہ ہو سکا تو دینی مدارس کے نصاب ونظام کو اپنے ڈھب پہ لانے کی سازشیں کی گئیں۔ دینی مدارس پر چھاپے مارے گئے، اہل مدارس پر جھوٹے مقدمات قائم کیے گئے، بڑی تعداد میں علماء کو فورتھ شیڈول میں ڈالا گیا، مدارس کے بینک اکاؤنٹس بند کیے گئے، چرم قربانی جمع کرنے پر پابندیاں لگائی گئیں، کوائف طلبی کے نام پر چندہ دہندگان کو ہراساں کیا گیا، آخری کاری وار وقف املاک بل کے نام پر کیا گیا..... یہ سب اس لیے ہوا کہ دینی مدارس کی آزادی وخود مختاری کا گلا گھونٹ دیا جائے اور امریکا کے ناپاک عزائم کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہو سکے۔

چناں چہ ان تمام جانگسل مراحل میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم کی قیادت میں دینی مدارس کے تحفظ وبقا کی طویل جنگ لڑی۔ اس لیے ہم تہ دل سے سمجھتے ہیں کہ افغانستان سے امریکا کی پسپائی صرف اسی ایک ملک کے باشندگان کے لیے باعث مبارک باد نہیں بلکہ پاکستان کے علماء وطلبہ، دینی جماعتوں اور دینی قیادت کے لیے بھی قابل صد مبارک باد ہے۔

طالبان کی عظیم الشان فتح پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ناظم اعلیٰ وفاق شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم اور دیگر قائدینِ وفاق کی جانب سے خصوصی اعلامیہ جاری کیا جس میں افغانستان میں طالبان کی فتح پر قوم سے اظہارِ تشکر اور دعا کی اپیل کی، قائدین وفاق نے طالبان کی فتح کو امت مسلمہ

کی اجتماعی فتح قرار دیا اور طالبان کی پرامن پیش رفت کو دانشمندی اور حکمت کی اعلیٰ مثال قرار دیا۔ وفاق المدارس پاکستان نے اپنے اعلامیے میں کہا کہ دینی مدارس کے وابستگان نے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے فتح مکہ کی یادیں تازہ کردیں۔ وفاق المدارس کے قائدین نے قوم سے اپیل کی کہ وہ طالبان کی فتح پر شکرانے کے نوافل ادا کریں اور خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں کہ اللہ ربّ العزت پورے خطے کی ہر قسم کی بدامنی اور خون خرابے سے حفاظت فرمائیں اور اسلامی نظام کی بہاریں دیکھنا نصیب فرمائیں اور دشمن کی ہر قسم کی چالوں کو ناکامی سے دوچار فرمائیں۔ آمین!

بلاشبہ افغانستان میں طالبان کی فتح سے پوری امت مسلمہ کو خوشی حاصل ہوئی ہے، اہل ایمان بے پناہ مسرت سے سرشار ہیں۔ وہ بجاطور پر خوش ہیں کہ سرزمین افغانستان میں شرعی نظام کا نفاذ ہوگا، اور یہ سرزمین نہ صرف طاقتور اسلامی ریاست کے طور پر ابھرے گی بلکہ امت کے مظلوموں کے لیے بھی امیدوں کا مرکز بھی بنے گی۔ اس وقت طالبان کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہی ہے کہ وہ اپنی ریاست وامارت کو مکمل شرعی اصولوں پر استوار کریں، عالمی قوتوں کے بے جا مطالبات کو درخور اعتناء نہ جانیں۔ عالمی قوتوں اور خطے کے پڑوسی ممالک کو بھی چاہیے کہ وہ افغانوں پر اپنی خواہشات اور فرسودہ نظریات مسلط کرنے کی بجائے امن کے قیام کے لیے تعاون کریں، انہوں نے چالیس برس آتش وآہن، گولہ وبارود برداشت کیا ہے اب انہیں اپنی زندگی جینے دیں، افغانستان میں امن کے قیام سے ہی پورے خطے میں امن آسکتا ہے۔ حکیم مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا......

آسیا یک پیکر آب و گل است ملت افغاں درآں پیکر دِل است

ازفسادِ اُوفسادِ آسیا درکشادِ اُوکُشادِ آسیا

''ایشیا پانی ومٹی کا کا پیکر ہے اور افغان اس جسم میں دل کی مانند ہیں، اگر اس دل میں اضطراب ہوگا تو پورے ایشیا میں خرابی رہے گی، اگر اس دل کی گرہ کھل گئی تو پورے ایشیا میں امن وچین رہے گا۔''

آخر میں ہم ایک مرتبہ پھر طالبان کے سربراہ امیر المؤمنین ملا ہیبت اللہ حفظہ اللہ تعالیٰ اور ان کے قابل احترام رفقاء کو بھی دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ ان کی طویل جدوجہد اور قربانیوں کے صلے میں نہ صرف افغانستان کو بیرونی تسلط سے آزادی ملی ہے بلکہ پورے عالم اسلام کو عظیم الشان خوشخبری، مسرت اور طمانیت حاصل ہوئی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امارت اسلامی افغانستان کو ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائے اور خطے کو امن وسکون، عافیت اور ترقی سے نوازے......آمین!۔

موت وحیات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

مولانا محمد احمد حافظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَقَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّی لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا لِیَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ وَاللّٰهُ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ۝ وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ۝ (آل عمران ۱۵۶۔۱۵۷)

''اے ایمان والو! تم نہ ہوان کی طرح جو کافر ہوئے، اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کو نکلیں؛ ملک میں یا ہوں جہاد میں، اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے، تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے افسوس ان کے دلوں میں، اور اللہ ہی جِلاتا ہے اور مارتا ہے، اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا ہے۔ اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اس کی بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔'' (ترجمہ: حضرۃ شیخ الہندؒ)

تحقیق لغات:

ضَرَبُوۡا فِی الۡاَرۡضِ:.....ضرب، سفر کے معنیٰ میں ہے، کیونکہ انسان زمین پر چلتے ہوئے پاؤں اٹھاتا اور رکھتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے لَایَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡباً فِی الۡاَرۡضِ (البقرہ، ۲۷۳) اسی معنیٰ میں دوسری آیت ہے :فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِیۡقاً فِی الۡبَحۡرِ (طٰہٰ، ۷۷)

غُزًّیۡ:.....الغزو: **الخروج الیٰ محاربة العدو** دشمن کے خلاف جنگ کے ارادے سے نکلنا، ایسے شخص کو غازی کہتے ہیں۔ اس کی جمع غزاۃ آتی ہے۔ غزیٰ جمع منقوص ہے، یہ لفظ حالت رفعی اور جری میں تبدیل نہیں ہوتا۔

حَسۡرَةً:.....(ح س ر) اس کے معنیٰ کسی چیز کو ننگا کرنے کے ہیں۔ جیسے حسرت عن الذراع میں نے آستین چڑھائی۔ الحاسر.....بغیر زرہ اور خود کے۔ **ناقة حسیر** .....تھکی ہوئی اور کمزور اونٹنی جس کا گوشت پگھل کر ہڈیاں ابھر آئی ہوں، قوت زائل ہو چکی ہو۔ کسی چیز کے کھو جانے پر افسوس کرنا جس کا حصول بظاہر ناممکن ہو۔ عاجز اور درماندہ ہونا۔ قرآن پاک میں ہے: یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئاً وَّهُوَ حَسِیۡرٌ (الملک:۴)۔ وہ جہالت اور غفلت جس

کے سبب کسی چیز سے محرومی ہو جائے، اس پر افسوس کرنا۔ جیسے آیت یٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَافَرَّطۡتُ فِیۡ جَنۡبِ اللّٰہ (الزمر:۵۶) کہ اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے خدا کے حق میں کی۔

یُحۡیِیۡ وَیُمِیۡت:.....(ح ی ی) الحیاۃ، حیاۃ کا استعمال مختلف وجوہ پر ہوتا ہے:

(۱) قوت نامیہ جو حیوانات اور نباتات میں پائی جاتی ہے، جیسے قرآن پاک میں آتا ہے اِعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِھَا۔ (الحدید، ۱۷)۔

(۲) حیاۃ کے معنیٰ قوت احساس کے آتے ہیں۔ اسی قوت کی بنا پر حیوان کو حیوان کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے وَمَایَسۡتَوِی الۡاَحۡیَاءُ وَلَاالۡاَمۡوَات۔ (فاطر:۲۲)

(۳) قوت عاملہ کا عطا ہونا، چنانچہ فرمایا: اَوَمَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنَاہُ۔ (الانعام ۱۲۲)

(۴) غم کا دور ہونا، جیسے وَلَاتَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡیَاءٌ عِنۡدَرَبِّھِمۡ ۔ (آل عمران:۱۶۹) یہاں شہداء کو زندہ کہا گیا ہے اس لیے کہ وہ لذت و راحت میں ہیں۔

(۵) حیاۃ سے آخرت کی دائمی زندگی بھی مراد ہوتی ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَادَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ۔ (الانفال:۲۴)۔

(۶) وہ حیاۃ جس سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس متصف ہوتی ہے۔ جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حیات کی ضد موت ہے۔

لَمَغۡفِرَۃٌ:.....الغفر کے معنیٰ کسی کو ایسی چیز پہنا دینے کے ہیں جو اسے میل کچیل سے محفوظ رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت یا غفران کے معنیٰ ہوتے ہیں کہ بندے کو عذاب سے بچا لے۔ جیسے دعا ہے غُفۡرَانَکَ رَبَّنَا (البقرہ:۲۸۵) ''اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں۔''

رَحۡمَۃٌ:.....رحمت وہ رقت قلب ہے جو مرحوم (یعنی جس پر رحم کیا جائے) پر احسان کی مقتضی ہو۔ پھر اس کا استعمال کبھی صرف رقت کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنیٰ میں۔ پس رقت اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طبیعتوں میں ودیعت کر دی ہے اور احسان کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔

تفسیر و تاویل/موت و حیات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے:

آیت بالا میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ موت و حیات کی حقیقت بیان فرما کر مومنین کو تقدیر پر کامل ایمان اور راہِ جہاد میں ثابت قدمی کی تلقین فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم ان منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ

جو جہاد فی سبیل اللہ میں نکلنے والوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے تو نہ ان کو زخم آتے نہ یہ مرتے، یہ گویا اس بات کا اظہار ہے کہ گھروں میں بیٹھ رہنا موت سے حفاظت اور راہِ جہاد میں نکل کھڑے ہونا موت کا سبب ہے، حالاں کہ یہ بات صریحاً غلط ہے۔ موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جب چاہے کسی کو موت دے، جب اور جیسے چاہے زندگی عطا فرمائے، اس میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہی وہ حیات آفریں عقیدہ ہے جو ایک مومن و مسلم کو جواں ہمت، شجاع، بہادر اور گھمسان کے معرکوں میں بے خوف وخطر کود جانے والا بناتا ہے۔ عقیدے کی یہی مضبوطی اہل ایمان کی فتح وظفر کا سبب بنتی ہے۔

محروم الایمان لوگوں کا وطیرہ:

سابق سے غزوہ احد کا ذکر چل رہا ہے۔ چونکہ اُحد میں جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو وقتی پسپائی اختیار کرنا پڑی، نیز جانی نقصان بھی ہوا تو کفار ومنافقین نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کردیں مثلاً یہ کہ اگر یہ لوگ ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے اور جہاد میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے۔ ان منافقین کا شور وغوغا اس قدر ہوتا ہے کہ عام مسلمان بھی ایسا ہی سوچنے لگتا ہے۔ تفسیر عمدۃ البیان (للمدنیؒ) میں ہے:

''ایسے لوگ ہمیشہ اگر مگر کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ اور سکون واطمینان کی دولت سے محروم ہوتے ہیں جب کہ مومنِ صادق ہمیشہ مطمئن رہتا ہے۔ سو زندگی اور موت کو اللہ کی طرف سے جاننا ایمان کا تقاضا ہے، تم اے سچے ایمان والو! نہ تو ان منافق لوگوں کی طرح کبھی دل میں ایسا کوئی خیال لانا اور نہ زبان سے ایسی کوئی بات نکالنا کہ تمہارے ایمان وعقیدے کا تقاضا یہی ہے کہ تم زندگی اور موت کو اللہ پاک ہی کے قبضہ واختیار میں سمجھو اور ہر حالت کو اسی کی طرف سے مقدر جان کر مطمئن رہو کہ امرِ واقع یہی ہے.....یہی اصل میں حقیقتِ ایمان ویقین کا تقاضا ہے۔''

سکون واطمینان سے محرومی:

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ.....

کافر اور منافق دل کے چین وسکون سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ موت سے بھاگتے ہیں سو ارشاد فرمایا گیا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ایسی باتوں کو حسرت دیاس بنا کر ان کے دلوں میں ڈال دے گا۔ اس طرح یہ لوگ اپنی ہی سلگائی ہوئی آگ میں جلتے اور کڑھتے ہیں کہ یوں نہ ہوجائے وُوں نہ ہوجائے، دل کے کھٹکے اور بے اطمینانی کی اس کیفیت کو امام رازی رحمہ اللہ نے خوب واضح فرمایا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں:

لیجعل کا تعلق یا تو قالوا کے ساتھ ہے یعنی منافقین نے یہ بات کہی تا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے دلوں میں

حسرت بنادے۔ یہ بات ان کے دل میں حسرت کا باعث کیسے بنی؟ اس پر چھ اقوال ہیں۔

۱.....منافقوں نے کہا کہ یہ لوگ اگر جہاد میں نہ جاتے تو نہ مرتے، ان کی اس بات سے شہید کے خاندان والوں کے دل میں حسرت وافسوس پیدا ہوتا ہے کہ ہائے کاش! ہم اس کو نہ جانے دیتے اور سختی سے روک لیتے، چوں کہ ہم نے اس کو جانے دیا اس لیے وہ مارا گیا۔ تو گویا ہم اس کی موت کے ذمہ دار ہیں۔ یہ بات سوچ کر ان کے دلوں میں غم اور حسرت کا درد بڑھ جاتا ہے، مگر یہ بات وہی لوگ کہتے اور سوچتے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہوتا ہے۔ ورنہ سچا مسلمان تو اس غلط نظریہ کو مانتا ہی نہیں، اس لیے وہ حسرت سے محفوظ رہتا ہے، تو گویا منافقین کی اس بات سے منافقین ہی کی حسرت بڑھتی ہے۔

۲.....منافقین نے جب یہ بات پھیلائی کہ جہاد میں موت ہے تو وہ اور ان کے وہ ساتھی جو جہاد سے پیٹھ پھیر کر بیٹھ رہے تھے پھر جب مسلمانوں کو جہاد میں فتوحات ہوئیں، غنیمتیں اور غلبہ ملا تو پیچھے بیٹھ رہنے والے ان منافقین کے دلوں میں افسوس اور حسرت کی آگ لگ گئی۔

۳..... یہ حسرت قیامت کے دن کی ہے جب منافقین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کو اتنے اونچے درجات اور اعلیٰ انعامات سے نواز رہا ہے تب انہیں اپنی بات پر حسرت اور پچھتاوا ہوگا۔

۴.....منافقین نے جب یہ شبہ ڈالا تو بعض کمزور دل مسلمانوں نے اسے قبول کرلیا، اس پر منافقین نے خوشی منائی کہ ان کا مکر وفریب کامیاب رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عن قریب ان کا یہ عمل ان کے دل میں حسرت اور افسوس بن جائے گا، جب انہیں معلوم ہوجائے گا کہ شبہ ڈالنے میں وہ باطل پر تھے۔

۵.....ان منافقین کا ہر وقت گمراہی اور شبہات پھیلانے کے لیے محنت کرنا خود ان کے دل کو تنگی، حسرت اور پریشانی میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا۔ (الانعام ۱۲۵)

''اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو بالکل تنگ کردیتا ہے۔''

۶.....منافقین جب اپنا یہ شبہ پکے مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ان کی بات نہیں سنتے، تب انہیں اپنی ناکامی اور ذلت پر حسرت ہوتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ **لیجعل** کا تعلق **لاتکونوا** کے ساتھ ہے، تب مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو! تم ان کافروں منافقوں جیسے نہ بنو تاکہ تمہارا ان جیسا نہ بننا ان کے دلوں میں افسوس اور حسرت کا باعث بن جائے، کیونکہ منافقین کے عقیدے اور ان کی باتوں کی مخالفت ان کو غم وغصے میں ڈال دیتی ہے۔ (التفسیر الکبیر)

موت کا وقت مقرر ہے، نہ پہلے نہ بعد:

موت کا وقت مقرر ہے، جب تک موت نہیں آتی زندگی باقی ہے، کیا جنگ اور جہاد میں جانے والے سب لوگ ہی مرجایا کرتے ہیں اور کیا گوشۂ عافیت میں بیٹھ رہنے والے سب لوگ ہی موت سے محفوظ رہتے ہیں؟ ایسا تو نہیں ہے۔ **واللّٰہ یحیی ویمیت**.....اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت کے فیصلے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر زندہ رکھنا چاہیں تو گھمسان کی جنگوں میں شرکت کرنے والے کو معمولی گزند بھی نہ پہنچنے دیں اور چاہیں تو بستر پر آرام کرنے والے کی روح قبض کرنے کا حکم فرمادیں۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

ای یقدر علی ان یحیی من یخرج الی القتال ویمیت من اقام فی اهله

''یعنی وہ ذات اس پر قادر ہے کہ جہاد میں جانے والے کو زندہ رکھے اور گھر بیٹھ رہنے والے کو موت دے دے۔''

روح المعانی میں ہے:.....**وفیه منع المومنین عن التکلف فی الجهاد لخشیة القتل**

''اس میں مسلمانوں کو موت کے ڈر سے جہاد چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے۔''

تفسیر عثمانی میں ہے:

''منافقین کی عادت تھی جب مسلمانوں کو غلبہ و کامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے اور اگر کبھی سختی کی بات پیش آگئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح (زخمی) ہوگئے تو فخریہ کہتے تھے کہ ہم نے ازراہِ دوراندیشی پہلے ہی سے اپنے بچاؤ کا انتظام کرلیا تھا، ہم سمجھتے تھے کہ یہی حشر ہونے والا ہے لہٰذا ان کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ غرض ڈینگیں مارتے ہوئے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اپنی مجلسوں سے گھروں کو واپس جاتے تھے۔''

موت کے متعلق قرآن پاک میں جابجا واضح ارشادات موجود ہیں۔ موت ایسی اٹل حقیقت ہے کہ خدا اور رسول کے منکرین بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے۔ مثلاً.....ارشاد ہے:

۱.....**اَیْنَمَاتَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَه** (النساء:۷۸)

''جہاں کہیں تم ہوگے موت تم کو آ پکڑے گی، اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں۔''

۲.....**قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِیْکُمْ** (الجمعہ:۸)

''تو کہہ موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے ضرور ملنے والی ہے۔''

۳.....**کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَاتُرْجَعُوْن** (عنکبوت:۵۷)

جو جی ہے سو چکھے گا موت، پھر ہماری طرف آؤ گے۔

اللہ کی راہ میں موت مغفرت ورحمت کا سبب ہے:

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْمُتُّمْ الخ

جہاد میں شہادت یا موت کا ملنا بہت نفع کی چیز ہے، کیوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت حاصل ہوتی ہے۔یعنی موت تو یقینی ہے ہی، اس سے کوئی جائے فرار نہیں، لیکن یہی موت جہاد فی سبیل اللہ میں آجائے تو سبحان اللہ!۔علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے منسوب شعر نقل کیا ہے:

فان تکن الابدان للموت انشئت

فقتل امری ء بالسیف و اللّٰه افضل

یعنی جسم موت ہی کے لیے پیدا ہوتے ہیں اور ان کو بہر حال اور آخرت کا رمنا ہی ہے، پس اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کے لیے قتل ہو جانا ہی سب سے بہتر ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الخ کے ضمن میں امام رازی رحمہ اللہ نے کلام کیا ہے، فھو ھذا!۔

ان رحمة اللّٰه و مغفرته خیر من نعیم الدنیا لوجوه

بے شک اللہ کی رحمت اور مغفرت دنیا کی نعمتوں سے کئی وجوہ کی بنا پر بہتر ہے:

۱.....جو شخص مال جمع کر رہا ہے وہ آج اس کے حصول کی مشقت اور تکلیف اٹھا رہا ہے اور ممکن ہے کل اس مال سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے اور کل آنے سے پہلے مر جائے، مگر جس نے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت چاہی (اور حاصل کر لی) وہ ضرور اس سے نفع اٹھائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔

۲.....وہ مال جمع کرنے والا شخص کل تک نہ مرا اور زندہ رہا، مگر یہ تو ممکن ہے کہ اس کا مال کل تک باقی نہ رہے اور ضائع ہو جائے، جب کہ آخرت کی نعمتیں لازوال ہیں۔

۳.....چلیں فرض کر لیں مال جمع کرنے والا بھی کل تک نہ مرا اور اس کا مال بھی ضائع نہ ہوا مگر یہ تو ممکن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے کہ وہ اپنے مال سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے، مثلاً وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے، جب کہ آخرت کے نفع میں ایسا کوئی خطرہ نہیں۔

۴.....ممکن ہے کہ مال جمع کرنے والے کو کل اپنے مال سے فائدہ اور لذت اٹھانے کا موقع مل جائے، مگر دنیا کی تمام لذتوں اور راحتوں کے ساتھ تکلیفیں اور پریشانیاں جڑی ہوتی ہیں، جب کہ آخرت کی لذتیں ہر نقصان اور تکلیف سے پاک ہیں۔

۵.....چلیں فرض کرلیں دنیا کے طلب گار کو یہاں ایسی لذتیں اور فائدے مل گئے جن میں کوئی تکلیف یا نقصان نہیں ہے مگر یہ تو حقیقت ہے کہ دنیا کی لذتیں اور فائدے دائمی نہیں ہیں، بلکہ فنا اور ختم ہونے والے ہیں، بلکہ یہاں کی جو لذت جتنی مضبوط اور اچھی ہوتی ہے اس کے ختم اور فنا ہونے کا غم اور افسوس اتنا ہی سخت ہوتا ہے جب کہ آخرت کے فائدے فنا سے محفوظ ہیں۔

۶.....دنیا کے فوائد حسی ہیں اور آخرت کے فوائد عقلی ہیں، حسی (یعنی بدنی) فوائد ادنیٰ اور گھٹیا ہوتے ہیں، جب کہ عقلی فوائد اعلیٰ اور افضل ہوتے ہیں، کیا ایک گدھے کا اپنے پیٹ اور شرم گاہ سے لذت اٹھانا اس لذت کے برابر ہوسکتا ہے جو مقرب فرشتوں کو انوار الٰہی نصیب ہوتے وقت حاصل ہوتی ہے؟

یہ چھ وجوہ ذکر کرنے کے بعد امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وجوہات تو بے شمار ہیں ان میں سے صرف انہی چھ سے اشارہ کیا گیا ہے۔(فتح الجواد فی تفسیر آیات الجہاد)

منافقین کے گروہ کا تسلسل:

کفار و منافقین کا ہمیشہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اہل ایمان کو جہاد کے میدانوں اور شہادت جیسی نعمت عظمیٰ کے حصول سے بے راہ کرنے کی ہر ممکن ہوشش کرتے ہیں، وہ طرح طرح کے بہانے تراشتے، طعنے دیتے اور وسوسے پیدا کرتے ہیں، یہ گروہ دورِ نبوت میں بھی موجود تھا اور آج بھی ان کا یہ کاروبار عروج پر ہے، منافقین کے یہ گروہ ہر رنگ اور روپ میں ظاہر ہوتے ہیں۔اور تو اور مذہب کے لبادے میں بھی اس طرح کے گروہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں، ان کا وار نہایت کاری ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ آیات واحادیث اور فقہی احکام کی ایسی تعبیر وتشریح پیش کرتے ہیں کہ جس کے پڑھنے سننے کے بعد جہاد ایک پیش پا افتادہ عقیدہ یا پچھلوں کی کہانی نظر آتا ہے۔قادیانیت، غامدیت، اسی قبیل کے روپ ہیں۔ان گروہوں کے افراد کے دل ہمیشہ کفار ومشرکین کے حق میں اور ان کے درد میں دھڑکتے ہیں، مگر اہل ایمان کے ابتلاء ومصیبت کے کتنے ہی خونی حادثات گزر جائیں ان کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ تک نہیں ٹپکتا۔جہاد پر اعتراضات کرنے والے آج کل کے دانش ور جنہوں نے اپنے آپ کو دنیا میں بری طرح پھنسالیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس فانی دنیا کے تھوڑے سے عیش وآرام پر ہمیشہ کے عیش وآرام کو قربان کردیا ہے۔وہ آزاد، مست اور خوش رہنا چاہتے ہیں۔نماز سے آزاد، دینی احکام سے آزاد، جہاد اور اس راہ کی تکالیف سے آزاد، بس! عیش ہی عیش ان کا مطمح نظر ہے۔آخرت کے غم کی ان کی زندگی میں کوئی وقعت نہیں۔یا اللہ ہمیں منافقین عصر کے فکری وسوسوں سے محفوظ فرما اور اپنی پسندیدہ راہ پر چلنا آسان فرمادے۔آمین۔

نماز کی سننِ قبلیہ و بعدیہ: اہمیت وفضیلت!

مولانا عبدالقوی ذکی حسامی

عقیدۂ توحید کے بعد سب سے اہم ترین فریضہ؛ نماز ہے، بے شمار آیات وروایات، اس حکم کی فرضیت کے متعلق کتاب وسنت میں مذکور ہیں، اللہ سے قرب کا آسان اور قریب ترین راستہ ہے۔

اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد

بندہ اپنے پروردگار سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔(ابوداود)

نماز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، حضرات صحابہ کرامؓ نے اس فریضہ کے آنے پر عید جیسی خوشی منائی، یہ فریضہ نماز کسی بیماری اور مجبوری میں معاف نہیں ہے، نیز احادیث مبارکہ میں فرائض کے علاوہ دیگر نمازوں کی ترغیب دی گئی ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ میں متواتر عمل بھی ثابت ہے، اصطلاح شرع میں ان نمازوں کو نوافل کہا گیا ہے۔تاہم جن نمازوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام کے ساتھ ادا فرمایا، انہیں سنت موکدہ کہا جاتا ہے، نماز سے پہلے اور بعد کی جو سنتیں ہیں ان کی اہمیت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سنتوں کو نہایت اہتمام سے ادا فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ آگے آئے گا، عام طور پر جو کوتاہی اور لاپروائی اس حوالہ سے برتی جارہی ہے، وہ بہت ہی تکلیف دہ ہے، بالخصوص نوجوان طبقہ اس کا زیادہ شکار ہے، اس باب میں ہر نماز کے سنن سے متعلق مستقل فضائل ہیں، مجموعی لحاظ سے بھی ان سنن کی فضیلت آئی ہے، جو ہمیں عمل پر ابھارنے کے لیے کافی ہے؛ چنانچہ جو بندہ دن میں بارہ رکعتیں اہتمام سے ادا کرتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک محل اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو دیا جائے گا۔ چناں چہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى فى يوم وليلة ثنتى عشرة ركعة بنى له بيت فى الجنة. (ترمذى)

وہ کون سی بارہ رکعتیں ہیں۔دو فجر سے پہلے کی، چار ظہر سے قبل اور دو بعد ظہر کے، دو مغرب بعد کی، اور عشاء کے بعد کی دو رکعتیں۔ان میں سے ہر نماز کی سنتوں کی علیحدہ فضیلت ہے، جس کا عملاً التزام ہم پر ضروری ہے۔

فجر کی سنتوں کے متعلق فضائل:

دن کے آغاز میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ فجر کہلائی جاتی ہے۔اس کی سنتوں کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے بڑے جامع فضائل مسطور ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تدعوھما وان طردتکم الخیل (ابو داؤد. بروایت ابو ھریرہؓ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگر تمہاری یہ حالت ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہیں، مطلب یہ کہ تم کہیں سفر پر تیزی سے جا رہے ہو اور گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار ہو تب بھی اس سنت کو ترک نہ کرو، ایک مقام پر سنت فجر کی فضیلت یوں بیان فرمائی:

لم یکن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی شئی من النوافل اشد تعاھدا منہ علی رکعتی الفجر

(بخاری ومسلم بحوالہ مشکاۃ – بروایت عائشہؓ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں سب سے زیادہ فجر کی دو رکعت سنت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، سنتوں میں سے کسی سنت کی قضا نہیں ہے، مگر فجر کی سنت کی قضا ایک روایت سے ثابت ہے:

من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ماتطلع الشمس (ترمذی، معارف الحدیث. راوی ابو ھریرؓ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہیے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ادا کرے، ان روایات کی روشنی میں حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق فجر کی سنت واجب ہے، (تحفۃ القاری، محدث پالنپوریؒ)۔ علاوہ ازیں یہ حکم بھی فجر کی سنت کے ساتھ خاص ہے کہ جب کوئی آدمی نماز فجر کے لیے مسجد میں داخل ہوا اور فرض نماز شروع ہو چکی ہو، اس نو وارد کو یہ گمان غالب ہو کہ اس کو کم از کم دوسری رکعت یا قعدہ اخیرہ مل جائے گا، تو اس کو چاہیے کہ اول سنت ادا کرے، پھر نماز میں شامل ہو جائے:

واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشغالہ بسنتھا ترکھا لکون الجماعۃ اکمل والا بأنَّ رجا ادرک رکعۃ فی ظاھر المذھب (رد المختار مع الدر المختار)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے، نماز شروع ہو چکی تھی، تو آپ نے پہلے سنت ادا کی، پھر جماعت میں شامل ہوئے، (شرح معانی الاثار)

ان روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک فجر کی سنت کی کس قدر اہمیت تھی، اور انہوں نے اس سنت کا کس طرح اہتمام کیا۔

ظہر کی سنتوں کے متعلق فضائل:

زوال شمس کے بعد پڑھی جانے والی نماز ظہر کہلاتی ہے، اس کی سنت کے فضائل بھی قریب قریب فجر کی سنت کے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو ان سنتوں کی حفاظت کرے گا، (یعنی روزانہ ادا کرے گا) اللہ اس کو

دوزخ کی آگ پر حرام کردے گا،

من حافظ علی اربع رکعات قبل الظهر و اربع بعدها حرمه اللّٰه علی النار (ترمذی ، ابو داؤد)

صاحب معارف الحدیثؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد ظہر دو رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے، جو کہ سنت موکدہ کہلائی جاتی ہیں ، البتہ چار رکعتوں کی صورت یہ ہوگی کہ دو سنت موکدہ اور دو نفل ، (معارف الحدیث) ایک دوسری روایت میں حدیث کا یہ مضمون آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے، ان کے لیے آسمان کے دروازے (یعنی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، (سنن ابوداؤد- ابن ماجہ، راوی ابوایوب الانصاریؓ)

عصر کی سنتوں کے فضائل:

نماز عصر جو دن کے درمیانی حصہ میں ادا کی جاتی ہے، اس نماز کی سنت کے سلسلہ میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترغیبی ارشاد ملتا ہے، جس کا اہتمام کرنے پر بندہ مستحق ثواب ہوتا ہے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

رحم اللّٰه امراءً صلی قبل العصر اربعا (مسند احمد بحواله معارف الحدیث، راوی ابن عمرؓ)

اللہ کی رحمت ہو اس بندے پر جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے، اگر چہ اس سنت کا حکم کوئی تاکیدی نہیں ہے، مگر طالب آخرت کے لیے اعمال صالحہ بہترین سرمایہ ہے، جو اسی دنیا میں وہ کرسکتا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عصر سے پہلے دوگانہ نماز ادا فرمانا بھی ثابت ہے:

کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی قبل العصر رکعتین (ابوداؤد، مشکاۃ)

چونکہ یہ سنت - سنت غیر موکدہ ہے، اس سلسلہ میں اس سنت کا حکم یہ کہ اس کے پڑھنے والے کو ثواب ، اور نہ پڑھنے والے کو کوئی گناہ نہیں ؛ البتہ سنت موکدہ باصرار چھوڑنے والا گنہگار ہوگا، اگر ہم ایسے وقت مسجد پہنچے اور کچھ وقت جماعت کے لیے باقی ہو، تو بجائے قیل وقال کے دو یا چار رکعت پڑھ کر اس فضیات کو حاصل کریں۔ جیسا کے روایات سے معلوم ہوا۔

مغرب کی سنتوں کے فضائل:

نماز مغرب غروب آفتاب کے فورا بعد پڑھی جاتی ہے، اس کی سنتوں کی بھی بڑی فضیات احادیث میں واضح طور پر آئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے تھے جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت سنت پڑھے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگر چہ سمندر کے کف کے برابر ہوں:

قال علیه الصلوة والسلام من صلی بعد المغرب ست رکعات غفرت له ذنوبه وان کانت مثل

زبد البحر (طبرانی)

اللہ کی رحمت اپنے بندوں پر کس طرح مہرباں ہے، ذرا سی کوشش سے بندہ اپنی ڈھیر سارے گناہ بخشوالے، اور پاک ہوجائے، درحقیقت یہ فضائل ہمارے لیے ہیں، دن رات آدمی اللہ کی کتنی نافرمانی کرتا ہے، پھر بھی اللہ ہمارے لیے بخشش کے دروازے کھولے ہوئے ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے بعد نماز مغرب بات کرنے سے پہلے دو یا چار رکعات نماز پڑھی، اللہ اس کی نماز کو جنت کے اعلیٰ مقام علیین تک اٹھائے گا،:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلی بعد المغرب قبل ان یتکلم رکعتین..... وفی روایۃ اربع رکعات رفعت صلاتہ فی علیین (مشکاۃ)

مطلب یہ ہے کہ اس کے اس عمل کو ساتویں آسمان تک اٹھایا جائے گا، ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ آخرت میں اس کا عمل اللہ سے قرب کا ذریعہ بنے گا

واقربھا من اللّٰہ فی الآخرۃ (باب السنن وفضلھا، ص ۸۹۲ لمعات شرح مشکاۃ)

عشاء کی سنتوں کے فضائل:

دن کی آخری نماز عشاء کی نماز ہے، اس کے سنن کا اہتمام بھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے ثابت ہے، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں عشاء کے بعد دو رکعت نماز پڑھی:

صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... الخ و رکعتین بعد العشاء فی بیتہ (بخاری و مسلم)

اور ابوداؤد کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی حضرت عائشہؓ کے یہاں تشریف لاتے چار یا چھ رکعات ضرور ادا فرماتے۔ (ابوداؤد، معارف الحدیث، بروایت عائشہؓ)

قالت ما صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علی الا اربع رکعات أو ست رکعات

اس حدیث کے ذیل میں محدثین فرماتے ہیں جمہور ائمہ کے نزدیک تو وہی دو رکعت سنت موکدہ ہیں جو ابن عمرؓ کی روایت سے منقول ہے، البتہ ان دو رکعت کے علاوہ آرام فرمانے سے پہلے مزید دو یا چار رکعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ ان فضائل کے ہوتے ہوئے بھی سنتوں کے سلسلہ میں اگر ہمارا معاملہ کوتاہی والا ہے تو سمجھو بہت بڑی محرومی ہم اپنے سر لے رہے ہیں، جس کا اندازہ ہمیں کل قیامت میں ہوگا۔

☆.....☆.....☆

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی الجامع الصحیح

اوراس سے استفادے کے چند نئے راستے

مولانا بدرالحسن القاسمی، مقیم کویت

قرآنِ کریم کے بعد جس کتاب کا ذکر صحت وصداقت کے اعلیٰ معیار پر ہونے کا کیا جاتا ہے وہ امام بخاریؒ کی ''**الجامع الصحیح**'' ہے، جسے ہم ''صحیح بخاری'' کے نام سے جانتے ہیں۔

اللہ کی کتاب تو لفظ ومعانی ہر لحاظ سے وحی الٰہی ہے اور اپنے اعجاز وایجاز، بلاغت ومعنویت اور صداقت وابدیت ہر پہلو سے تمام انسانی کوششوں سے بلند اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل اور آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔لیکن وہ کتابیں؛ جو انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں، خواہ وہ تفسیر وحدیث کی ہی کیوں نہ ہوں، اللہ نے ان میں جو مقام امیر المؤمنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ کی ''الصحیح'' کو عطا فرمایا ہے، وہ شہرت اور مقبولیت کسی اور کتاب کو نہ مل سکی۔

بلاشبہ یہ بات امام بخاری کے اخلاصِ عمل بے مثال، تقوی وطہارت کا کرشمہ اور علم حدیث میں ان کی غیر معمولی عظمت کا نتیجہ ہے کہ صدیاں گذر گئیں؛ لیکن نہ تو کتاب کی تازگی میں فرق آیا اور نہ اس کی تعلیم وتدریس اور اس کے بارے میں تصنیف وتالیف میں کمی آئی۔ چناں چہ علماءِ اُمت نے رجالِ بخاری، اطرافِ بخاری، تراجمِ بخاری، شرح احادیثِ بخاری، مستخرجات ومستدرکاتِ بخاری سے لے کر الفاظِ بخاری کی تشریح اور حیاتِ امام بخاری کی تدوین و تنقیح پر ایک پورا کتب خانہ تیار کر دیا ہے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

اِس عظیم کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں امام بخاریؒ کے حوالہ سے ایک روایت تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ:

رأیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وکأننی واقف بین یدیه و بیدی مروحة أذب بها عنه فسألت بعض المعبرین، فقال لی أنت تذب عنه الکذب؛ فهو الذی حملنی علی إخراج الجامع الصحیح.

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حال میں دیکھا کہ گویا کہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں مورچھل (پنکھا) ہے؛ جس سے میں آپ کی طرف سے مکھیاں بھگا رہا ہوں، جب خواب کی تعبیر

بتانے والوں سے پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جھوٹی باتوں کو دور کرو گے؛ چناں چہ میرے ''جامع صحیح'' کے لکھنے کا یہی سبب ہوا۔

اِس مبارک خواب کے بعد امام بخاریؒ کے استاذ امام اسحاق بن راہویہ کی زبان سے بھی یہ جملہ نکلا کہ کاش تم لوگ حدیثوں کا ایک مختصر مجموعہ تیار کر دیتے اور امام بخاریؒ کے بعض ساتھیوں نے بھی یہ خواہش ظاہر کی؛ چناں چہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں:

فوقع ذلک فی قلبی؛ فأخذت فی جمع هذا الکتاب یعنی کتاب الجامع.

''یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے اس کتاب کی تالیف شروع کر دی''

ان وضاحتوں کے لیے ''فتح الباری'' کا مقدمہ دیکھنا چاہیے؛ جس میں مختلف روایتوں کے ذریعہ کتاب کی تصنیف کے پس منظر پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن سننے کی بات تو یہ ہے کہ کتاب کی تصنیف کا کام امام بخاریؒ نے کس طرح مکمل فرمایا، ان کے نامور شاگرد فربری کا بیان ہے کہ:

قال لی محمد بن إسماعیل البخاری: ما وضعت فی کتاب الصحیح حدیثاً إلا اغتسلت قبل ذلک وصلیت رکعتین.

''مجھ سے امام بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی اس صحیح میں کوئی حدیث اس وقت تک نہیں لکھی؛ جب کہ میں نے غسل کر کے دو رکعت نماز نہ پڑھ لی ہو۔'' (تہذیب التہذیب 9/39)

ایک دوسرے شاگرد کا بیان ہے کہ:

سمعت أبا عبداللّٰه البخاری یقول: صنفت کتاب الجامع فی المسجد الحرام و ما أدخلت فیه حدیثاً إلا بعد ما استخرت اللّٰه تعالی و صلیت رکعتین و تیقنت صحته.

''میں نے ابوعبداللہ البخاریؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی ''صحیح'' مسجد حرام میں لکھی ہے اور کوئی حدیث اس وقت تک اس میں نہیں لکھی؛ جب تک کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کر لیا ہو اور دو رکعت نماز نہ پڑھ لی ہو اور اس حدیث کی صحت کا پورا یقین نہ کر لیا ہو۔'' (مقدمہ فتح الباری ص:202)

مسجدِ حرام میں اس کے تصنیف کرنے سے مراد پوری کتاب وہاں بیٹھ کر تصنیف کرنا نہیں ہے؛ کیوں کہ روایتوں سے مدینہ طیبہ اور دوسرے مقامات پر امام بخاریؒ کا اس عرصہ میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے؛ لیکن ان کے بیان کا یہ جزء کہ میں نے اس کتاب میں ایک حدیث بھی اس وقت تک شامل نہیں کی جب تک کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کیا، دو رکعت نماز نہ پڑھی اور اس کی صحت کا مجھے مکمل طور پر یقین نہ ہو گیا؛ خاص طور پر قابل توجہ ہے، ظاہر ہے کہ جو کتاب

اس شان سے لکھی جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو قبولیت عطا ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے، پھر قبولیت بھی کیسی ملی اس کا اندازہ اس بیان سے کیجیے:

یقول الشیخ الإمام أبو زید المروزی الذی هو أجل رواة البخاری عن الفربری قال: کنت نائماً بین الرکن والمقام فرأیت النبی صلی الله علیه وسلم فی المنام فقال لی: با أبا زید إلی متی تدرس کتاب الشافعی ولا تدرس کتابی؟ فقلت یا رسول الله وما کتابک؟ قال: جامع محمد بن إسماعیل.

''امام ابوزید مروزی کا بیان ہے جو صحیح بخاری کے بڑے اور اہم ترین ناقلین میں ہیں، جنہوں نے امام بخاری کے شاگرد ''فربری'' سے اس کتاب کی روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں صحن کعبہ میں ''مقام ابراہیم'' اور ''رکن'' کے درمیان سویا ہوا تھا، تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، انہوں نے مجھ سے فرمایا: کہ تم کب تک شافعی کی کتاب پڑھتے رہو گے اور میری کتاب نہیں پڑھو گے؟ میں نے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد بن اسماعیل کی مرتب کردہ جامع، (یعنی صحیح بخاری)۔''

یہ وہ کتاب ہے کہ جس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ:

صنفت کتاب الصحیح لست عشر سنة، خرجته من ست مأة ألف حدیث وجعلته حجة بینی وبین الله.

''میں نے ''صحیح'' کی تصنیف سولہ سال میں کی ہے اور اسے چھ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کیا ہے اور اس کتاب کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا ہے۔''

ان کے شاگرد فربری کا بیان ہے کہ:

رأیت النبی صلی الله علیه وسلم فی المنام فقال لی: أین ترید؟ فقلت أرید محمد بن إسماعیل فقال: اقرأه منی السلام.

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس، تو آپ نے فرمایا کہ ان سے میرا اسلام کہو۔''

محدثِ اعظم علامہ انور شاہ کشمیریؒ - جن کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے درمیان مولانا انور شاہ کا وجود ہی اسلام کی حقانیت کی بڑی دلیل ہے-

صحیح بخاری کے اسرار و رموز سے جس قدر واقف تھے، کئی صدیوں میں اس کی مثال نہیں ملتی اور جو اپنے علم و فضل

کے لحاظ سے علامہ ابن حجرؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ، حافظ عراقیؒ، امام ذہبی، حافظ عبدالبرؒ، قاضی عیاضؒ، علامہ ابن جوزیؒ، حافظ ابن رجبؒ وغیرہ کی صف میں جگہ پانے کے مستحق تھے۔

ان کا بیان ہے کہ میں نے صحیح بخاری کی تدریس کا منصب سونپے جانے سے پہلے اس کتاب کا پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ اول سے آخر تک ۱۳/ بار مطالعہ کیا تھا۔

ان کے شاگرد رشید علامہ یوسف البنوریؒ فرماتے ہیں:

طالعه قبل شروعه فی تدریسه ثلاث عشر مرة من أوله إلی أخره مطالعة بحث و تحقیق وطالع شروحه المطبوعة من الفتح والعمدة والإرشاد وغیرها من المطبوعة والمخطوطة.
(مقدمۃ فتح الباری، ص:۳۱)

''انہوں نے اس کتاب کی تدریس سے پہلے ۱۳/ بار شروع سے آخر تک اس کا مطالعہ اور تمام مطبوعہ ومخطوطہ شرحیں پڑھ لی تھیں، جن میں فتح الباری، عمدۃ القاری اور قسطلانی وغیرہ شامل ہیں۔''

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی درسی تقریروں کا مجموعہ ''فیض الباری'' اور ان کی دوسری کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی نظر کتنی دقیق اور ان کا علم کتنا حاوی اور بخاری کے اسرار ورموز کو کس قدر محیط تھا، اس کے باوجود وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہر بار پڑھنے میں نئے معانی اور نئے رموز واسرار کھلتے رہتے ہیں۔

یزیدک وجهه حسناً ☆ إذا ما زادته نظراً

حضرت شاہ صاحبؒ نے عربی زبان کا صحیح ذوق حاصل کرنے کے لیے بھی ''صحیح بخاری'' کی اہمیت کا ذکر کیا ہے اور ایک شخص کا یہ مقولہ نقل کیا ہے:

من أراد العربیة کفی له القرآن وکتاب البخاری والهدایة.

''جس کو عربی زبان چاہیے؛ اس کے لیے قرآن کریم، صحیح بخاری اور ہدایہ کافی ہے۔''

امام بخاریؒ نے اپنی لازوال وبے مثال تصنیف ''الجامع الصحیح'' میں کیا کیا باریکیاں ملحوظ رکھی ہیں اور سولہ سال کی طویل مدت تک غسل اور استخارہ کا اہتمام اور التزام کرتے ہوے، اس میں کیسے کیسے علمی لعل وگہر بکھیرتے گئے ہیں اور اللہ تعالی نے ان پر علمی فتوحات کے کتنے دروازے کھولے ہیں اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرِ ناپیدا کنار کی تہوں سے وہ کیسے کیسے آبدار موتی چن کر نکال لائے ہیں، اس کا اندازہ کرنے کے لیے خاص طور پر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی عظیم کتاب ''فتح الباری'' کا گراں قدر مقدمہ ''ہدی الساری''، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ''امالی'' میں بکھرے ہوے نکات وعلمی لطائف اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی جامع کتاب ''الأبواب

والتراجم‘‘اور’’لامع الدراری‘‘ کا مقدمہ دیکھنا چاہیے؛ جن میں صحیح بخاری کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے اوران کے اندازِ تصنیف اور خاص اشاروں کو واشگاف کیا ہے۔

مثال کے طور پر حدیث کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا مکرر لانے میں امام ہمام نے کیا باریکیاں ملحوظ رکھی ہیں۔

قرآن حکیم کی آیات کا کس طرح استعمال کیا ہے، کتاب کے شروع اور آخر میں کیا مناسبت ملحوظ رکھی ہے، ہر کتاب کے آخر میں خود پڑھنے والے کو زندگی کے اختتام کی یاد دہانی کے لیے کسی مناسب لفظ کے استعمال، مشکل الفاظ کی تشریح کا نرالا انداز، ایسی روایتوں کا لانا جو ثلاثیات البخاری سے جانی جاتی ہیں اور جن کی سند اتنی عالی ہے کہ امام بخاریؒ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین روایوں کا واسطہ باقی رہ جاتا ہے، ایسی حدیثوں کی مجموعی تعداد ۲۲ر بتلائی گئی ہے، جن میں سے ۱۱ر مکی بن ابراہیم کی روایت سے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے ابواب کی ترتیب میں بھی اور عنوانات قائم کرنے میں بھی بڑی باریکیاں ملحوظ رکھی ہیں، جہاں تک ابواب وتراجم کا تعلق ہے اور جن کے بارے میں لکھا گیا ہے: ’’فقہ البخاری فی تراجمہ‘‘ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ امام بخاریؒ نے ان عنوانات ہی کے ذریعے سینکڑوں مسائل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا ہے اور حقیقت میں ان ابواب وتراجم ہی سے ان کی ذکاوت وذہانت اور فقہی بصیرت اور اجتہادی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان تراجم کو حل کرنے اور زیرِ عنوان احادیث سے ان کی مناسبت تلاش کرنے کی کوشش بڑے بڑے ائمہ فن نے کی ہے اور خاص اس موضوع پر علیحدہ کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ ابن المنیرؒ، علامہ الدمامینیؒ، علامہ المغراویؒ، بدرالدین البلقینیؒ وغیرہ علمائے متقدمین کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ بھی نے خامہ فرسائی کی ہے؛ لیکن اس موضوع کی تکمیل کا شرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کو حاصل ہوا، جن کی کتاب پچھلی تمام کتابوں کا خلاصہ ہے اور خود انہوں نے بھی اپنی پچاس سالہ تدریسِ بخاری کے تجربات سے بہت سی باتوں کا اضافہ کیا ہے، انہوں نے مجموعی طور پر ۷۰ر اصول ذکر کیے ہیں؛ لیکن اب بھی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ان پر مزید اضافہ کی گنجائش باقی نہیں رہی؛ لیکن اب تک جو لکھا گیا ہے، اس میں سے سب سے جامع بلاشبہ یہی کتاب ہے، نئے حالات اور مسائل آج بھی فن حدیث سے شغف رکھنے والے اور صحیح بخاری کی تفہیم وتشریح میں نکتہ آفرینیوں کے خوگر طلبہ اور اساتذہ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ طبع آزمائی کا سلسلہ جاری رکھیں۔

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

موجودہ زمانے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تدریس کے ساتھ بہت سی نئی ذمہ داریاں بھی علوم حدیث سے وابستگی رکھنے والوں کے سر آ گئی ہیں، اس لیے میری ناقص رائے میں درج ذیل خطوط پہ ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیے۔

(۱) حدیث کے درس و تدریس کا محور احادیثِ احکام کے چند ابواب نہیں؛ احادیث کا مکمل ذخیرہ ہونا چاہیے اور آداب، اور زہد و رقائق کے ابواب کو بھی اتنی ہی اہمیت سے پڑھنا پڑھانا چاہیے جتنی اہمیت اختلافی مسائل کو دی جاتی ہے، موجودہ تہذیب و تمدن نے انسانوں کو مادیت کے غلبہ کی وجہ سے تباہی کے جس کنارے پر پہنچا دیا ہے، اس کا علاج ''رفع یدین'' اور ''آمین بالجہر'' کے مسئلہ پر پنجہ آزمائی میں نہیں ہے، مشکاۃِ نبوت سے نکلے ہوے ان زریں اقوال میں ہے، جو عام طور پر زہد و رقائق اور آداب کے ذیل میں آتے ہیں۔

ایمان میں نقص و زیادتی کا اختلاف لفظی اور ہر گروہ کے منشأ اختلاف کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے، اس بحث میں اس طرح الجھ جانا کہ ایمان کے تقاضوں سے ہی آدمی غافل ہو جائے اور نہ یہ فکر رہے کہ اہل ایمان کی تعداد میں کس طرح اضافہ ہو، اور نہ یہ ہوش رہے کہ جو اہل ایمان ہیں ان میں سچا اور راسخ ایمان کس طرح پیدا کیا جائے جس سے حالات میں سدھار ہو اور ایمان کا جھونکا باطل کے خس و خاشاک اڑا لے جائے اور دنیا میں ہر طرف ایمان کی بہار آ جائے، یقیناً توجہ طلب بات ہے۔

(۲) حدیث کی درس و تدریس محض بعض لفظی اشکال دور کرنے کی حد تک محدود نہ ہو؛ بلکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کی مشکلات کا حل نکلتا ہے وہ پیش کرنے کی صلاحیت بھی ہم میں پیدا ہو اور ہم بجا طور پر امت کی رہنمائی کر سکیں اور انسانیت کو نبی رحمت کے بتائے ہوے نشانِ راہ کی طرف لا سکیں اور اسے اسلامی تعلیمات سے روشناس کرا سکیں۔

(۳) حدیث کے علم میں ہمیں کمال تک پہنچنا چاہیے اور جن لوگوں میں فطری جوہر موجود ہو، ان کا علم محض شروح و حواشی تک محدود نہ ہو۔

☆.....☆.....☆

حدیثی خدمات کی متنوع جہات

وحدت اور یک جہتی کی ضرورت

افادات شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ

ترجمہ وترتیب: مولانا محمد یاسر عبداللہ

تمہید:.....شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ، عالمِ اسلام کے نامور محدث ومحقق ہیں، متنوع موضوعات سے متعلق گراں قدر کتب کی تالیف اور ذخیرہ حدیث کی بعض اہم کتابوں کی تحقیق کا کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں، علومِ حدیث کے غوّاص اور فنِ تحقیقِ مخطوطات کے شناور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شیخ عبداللہ سراج الدین رحمہ اللہ جیسے بلند پایہ محدث وزاہد اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث وفقیہ سے استفادے کا زرّیں موقع عنایت فرمایا۔ محدثین کی نگاہ میں طولِ ملازمت وصحبت کی اہمیت، اہلِ علم سے مخفی نہیں، شیخ موصوف کو شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ سے پینتیس سالہ طویل تلمذ ورفاقت کا شرف حاصل ہے۔ شیخ ابوغدہ ''تلمیذ الامس وزمیل الیوم'' (کل کے شاگرد اور آج کے رفیق) سے ان کا ذکر کرتے (۱) اور ''الجہبذ المحقق'' (ماہر ونقاد محقق) جیسے القاب سے یاد فرماتے تھے، (۲) ان جملوں میں جہاں شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ کی تواضع وفروتنی اور قدردانی وحوصلہ افزائی کا ثبوت ملتا ہے، وہیں ان کی نگاہ میں اپنے شاگرد کی قدر ومنزلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

پیشِ نگاہ تحریر میں شیخ موصوف کے ایک گراں قدر مقالہ کی ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے، جو انہوں نے ۱۶ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ کو ترکی کے دارالحکومت استنبول میں انسانیت کی خدمت کے عنوان سے منعقدہ ایک علمی کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ اس کانفرنس میں عالمِ اسلام کے اطراف سے کبار اہلِ علم نے شرکت فرمائی تھی، شیخ نے اس موقع پر ''توحید الجُہود فی خدمۃ السنۃ النبویّۃ'' یعنی ذخیرہ حدیث کی خدمت ودفاع کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ کے مختلف طبقات کی مساعی کو ایک لڑی میں پرونے کے موضوع پر نہایت دل سوز اور دردمندانہ گفتگو فرمائی، جو ہر صاحبِ قلب ونظر کے دل پر دستک دیتی ہے، اس مفید گفتگو سے استفادے کا دائرہ وسیع کرنے کی غرض سے اسے اردو کے قالب میں ڈھال کر نذرِ قارئین کیا جارہا ہے، امید ہے کہ اہلِ علم اور اربابِ انتظام وانصرام اس مقالہ میں درج نکات اور تجاویز پر غور

فرما کر اپنے دائرہ کار میں حسبِ استطاعت پیش رفت فرمائیں گے۔(ازمرتب)

ابتدائیہ:

الحمدللّٰہ کما ینبغی لجلال وجھہٖ ولعظیم سلطانہٖ، ولا نحصی ثناء علیہ، ھو کما اثنٰی علٰی نفسہٖ، والصلاۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سیدنا محمد إمام المتقین، وقائد الغُرّ المحجّلین، وقُدْوَۃ العلماء العاملین، القائل:"إن العلماء ورثۃ الانبیاء، وإن الانبیاء لم یورّثوا دینارا ولا درھما، إنما ورّثوا العلم، فمن اخذہ اخذ بحظّ وافر"، وعلٰی آلہ وصحبہ وکل من اقتبس من ھدیہ وسار علی دربہ.

اصحابِ فضیلت، امتِ مسلمہ کے علم وعمل اور افکار واخلاق کے احوال آپ حضرات کی نگاہ میں ہیں، آپ حضرات کی موجودگی میں اس بابرکت ملاقات سے استفادہ کی آرزو رکھتے ہوئے کچھ اہم علمی امور آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، تاکہ سنتِ نبویہ کی خدمت کے حوالے سے کی جانے والی مساعی میں یکسانیت پیدا ہو، یہ امر امت کی ترقی کا وسیلہ ثابت ہوگا، ان شاءاللہ تعالیٰ! وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بلاتمہید مقصودی گفتگو کا آغاز کرتا ہوں:

علومِ حدیث کی حالیہ بیداری میں موجود خلا:

علومِ حدیث کے حوالے سے حالیہ بیداری میں بہت سے خلا ہیں، اس سلسلے میں اپنی آراء کے متعلق گفتگو کو دو زمروں میں سمیٹا جاسکتا ہے:

ا:-داخلی تنقید اور ۲:-خارجی تنقید (تعبیر میں قدرے توسع کے ساتھ)

''داخلی تنقید'' سے میری مراد وہ کمزوریاں ہیں جو سنتِ نبویہ کے پڑھنے پڑھانے، ذخیرہ حدیث کی خدمت اور اس کے حال کو ماضی کے ساتھ جوڑنے میں پائی جاتی ہیں، جبکہ ''خارجی تنقید'' سے مراد متعدد طبقات کی جانب سے ذخیرہ حدیث پر ناروا حملے ہیں، حالانکہ اس ذخیرے سے متعلق تمام امور طے شدہ ہیں، علمائے امت وامرائے ملت ان کے نگہبان رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود دورِ حاضر میں خدا کے دین سے کھلواڑ کرنے والا کوئی بھی شخص کشٹ اٹھائے بنا کسی ویب گاہ (انٹرنیٹ سائٹ) کی مدد سے جی میں جو آئے، لکھ ڈالتا ہے۔

ان دونوں زمروں سے متعلق طویل گفتگو ہے، جس کا اختصار بے حد ضروری ہے۔

داخلی ضعف کے چند پہلو:

پہلے زمرے (داخلی تنقید) کے تحت بھی بہت سے کمزور پہلو ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا:-حفظِ احادیث کی جانب عدمِ التفات:..... میرے علم کے مطابق عرب وعجم میں اس جانب توجہ نہیں رہی،

البتہ اس حوالے سے ڈاکٹر نورالدین عتر (اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے، ان کو مزید ہمت وقوت سے نوازے اور انہیں جزائے خیر عطا فرمائے) (۳) کی زیرِ نگرانی ''دمشق'' (شام) میں خواتین کی سرگرمیاں مستثنیٰ ہیں، جواب بڑھتے بڑھتے ''حلب'' تک جا پہنچی ہیں، اور میرے اندازے کے مطابق اس سلسلے کو جاری ہوئے پندرہ برس ہو چکے ہیں۔ (۴) جب کبھی حضرات اہلِ علم وفضل سے ملاقات ہوتی ہے تو میں انہیں اس امر کی یاد دہانی کراتا رہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ یہ حضرات اپنے نام کی مانند خوشبودار کتاب ''ریاض الصالحین'' سے طلبہ کو حفظِ احادیث کا آغاز کرائیں گے، کیونکہ اس کتاب میں ایسی خصوصیات یکجا ہیں جن کی ضرورت ہر مسلمان اور ہر طالبِ علم کو پیش آتی ہے، (۵) لیکن یہ مرحلہ قرآن کریم کے حفظ کے بعد کا ہے۔ عصرِ حاضر میں ہمارے عرب ممالک میں حدیث وعلومِ حدیث کا مشغلہ رکھنے والے عام طور پر شرحِ حدیث (اگرچہ ایسے لوگ بھی بہت کم ہیں) یا دیگر علومِ حدیث میں (تو) مشغول ہیں (لیکن حفظِ احادیث کا زیادہ مشغلہ نہیں)، اس بنا پر اس قحط زدہ زمانے کے اعتبار سے کسی عالم کو ''محدث'' تو کہا جاسکتا ہے، لیکن میرے علم میں ایسا کوئی عالم نہیں، جس کو ''حافظ الحدیث'' کہا جاسکتا ہو، کلی طور پر نفی بھی نہیں کر رہا، واللہ اعلم!

۲:-شروحِ حدیث کے پڑھنے پڑھانے اور ان کی طباعت وتحقیق میں انہماک کی کمی:..... نئی نسل (جواب خیر سے بڑوں میں شمار میں ہونے لگی ہے) کا زیادہ تر انہماک، علومِ حدیث یا درایتِ حدیث سے متعلق ہے، اسی بنا پر علمی انارکی اور بے ضابطگی پیدا ہوگئی ہے، جس کا مشاہدہ ''مجتہدین کی کثرت'' کی صورت میں ہو رہا ہے!! امام سفیان ثوریؒ نے کہا تھا: ''کیا یہ کہاوت مشہور نہیں کہ ''إِذَا كَثُرَ الْمَلَّاحُونَ غَرِقَتِ السَّفِينَةُ'' (جب ناخُدا زیادہ ہو جائیں تو کشتی غرقاب ہو جاتی ہے؟!۔'') اس نکتے کی جانب آگے دوبارہ لوٹوں گا۔

۳:-حالیہ حدیثی بیداری کا ایک برا اثر، (غیر محقّق) کتبِ حدیث کی گرم بازاری:..... چونکہ کتبِ حدیث کی طلب بڑھ گئی ہے، اس بنا پر ہر کس وناکس ان کی تحقیق کی جانب متوجہ ہے، اور ان میں نااہلوں کی اکثریت ہے، کیونکہ ایسے لوگ جری ہوتے ہیں، جبکہ اہلیت رکھنے والا ڈرتا رہتا ہے۔

دو لطف آمیز چٹکلے:

دل لگی اور ذائقہ بدلنے کی غرض سے دو چٹکلے ذکر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں، عربی محاورہ ہے: ''شَرُّ الْبَلِيَّةِ مَا يُضْحِكُ'' (بدترین مصیبت وآزمائش وہ ہے جو ہنسنے پر مجبور کردے):

۱:-شمائل وآدابِ نبویہ سے متعلق ایک کتاب میں یہ حدیث مذکور ہے:..... ''إِنَّ سَيْفَ النَّبِيِّ ﷺ

كَـانَ حَـنَفِيًّ ا''(٦)(یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار، ''بنوحنیفہ'' نامی قبیلے کی تلواروں کی مانند تھی)، لیکن ایک محقق صاحب نے لفظِ ''حَـنَفِيًا'' پر یوں حاشیہ لگایا ہے: ''اى مـنسـوبًـا إلىٰ ابى حنيفة النعمان ''(یعنی آپ ﷺ کی تلوار امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی جانب منسوب تھی)۔

۲:-ایک معزز و معتمد بھائی نے بتایا کہ انہوں نے ایک مغرب زدہ عرب محقق کی تحقیق کے ساتھ چھپی کتاب میں پڑھا ہے، کتاب میں ایک مقام پر ''بنتِ لبون'' کا ذکر آیا، تو محقق صاحب نے اس لفظ پر کچھ یوں حاشیہ لکھا ہے: ''لَـمْ اَقِفْ لَهَـا عَلىٰ تَرْجُمَةٍ ''(یعنی ''بنتِ لبون'' نامی اس شخصیت کے حالات مجھے دستیاب نہیں ہو سکے)۔ ائمہ اسلام کی علمی میراث سے کھلواڑ کرنے والے ان لوگوں کے قلم پر اٹھنے والی علم وحکومت کی تلوار کہاں ہے؟!

مزید دو قابلِ غور پہلو:

داخلی کمزوریوں کے تعلق سے دو پہلو ایسے ہیں، جو علومِ حدیث اور دیگر علوم کی مشغولیت رکھنے والے طلبہ میں مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں:

۱:-تربیت میں کمی

۲:-مشائخ کی صحبت اور ان سے استفادے میں کوتاہی

پہلا پہلو: علم پر عمل کی تربیت میں کمی ایسا معاملہ ہے، جس کی جانب اب توجہ نہیں ہے، جبکہ ہمارے اسلاف اور علماء رحمہم اللہ اس کے نہایت حریص تھے۔ ''الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع'' امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی کتابوں میں ایک عمدہ کتاب ہے، اور ''اقتضاءُ العلمِ العملَ'' کے نام سے نسبتاً کم ضخامت پر مشتمل ایک اور کتاب بھی انہی کی ہے، پہلی کتاب میں انہوں نے ''باب آداب الطلب'' کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے، اور اس میں سلف کے کچھ واقعات ذکر کیے ہیں، ان میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

(۱) امام حسن بصری رحمہ اللہ پچھلے لوگوں (یعنی اپنے اساتذہ کبار تابعین) کے بارے نقل کرتے ہیں: (ان اسلاف میں سے) ''کوئی شخص علم حاصل کرنا شروع کرتا تو یہ علم اس کے خشوع وخشیت، چال ڈھال، بول چال، دیکھنے سننے اور اعمال وافعال میں جھلکتا تھا''

۲:-امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے: ''کوئی نوجوان علمِ حدیث میں مشغول ہو جاتا تو اس کے گھر کے لوگ اس (کی اس مشغولیت) پر اجر وثواب کے امیدوار ہوتے تھے۔'' خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس آخری جملے کی وضاحت یوں کی ہے: ''(وہ علمِ حدیث کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ) عبادات میں اتنا مجاہدہ کرتا تھا کہ گھر کے لوگوں

سے بھی قدرے لاتعلق ہوجاتا تھا، اور گھر والے اس (کی اس یکسوئی کی) بنا پر اجر وثواب کی امید رکھتے تھے۔'' (گویا ان بزرگوں کے ہاں حصولِ علم اور ذوقِ عبادت کا چولی دامن کا ساتھ تھا)۔

۳:- حدیث کا ایک طالب علم، امام احمد رحمہ اللہ کے پاس مہمان بن کر آیا، امام موصوف سوتے وقت اس کے قریب پانی رکھ گئے کہ رات کی عبادت کے لیے وضو کی ضرورت پیش آئے گی، لیکن صبح میں دیکھا کہ وہ پانی جوں کا توں رکھا ہے تو امام موصوف نے فرمایا: ''سبحان اللہ! علم کا متلاشی ہے اور رات کی عبادت کا کوئی معمول نہیں!!۔'' (گویا ان حضرات سلف رحمہم اللہ کے ہاں یہ تصور ہی نہ تھا کہ کوئی طالبِ علم شب بیداری کا معمول نہ رکھتا ہو)۔

۴:- امام ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ کی مجلس میں ظہر کا وقت ہوا تو امام ابن نصر نے کھڑے ہوکر اذان دی، حاضرین میں سے ایک شخص مسجد سے باہر نکلنے کے ارادے کے ساتھ کھڑا ہوا تو امام موصوف نے اس سے دریافت کیا: ''کہاں جارہے ہو؟'' اس نے عرض کیا: ''وضو کرنے جارہا ہوں۔'' امام موصوف نے فرمایا: ''تمہارے بارے میں تو میرا یہ گمان نہ تھا، نماز کا وقت داخل ہوچکا ہے اور تم (اب تک) بے وضو ہو!!'' (یعنی تمہیں تو نماز کے وقت سے پہلے ہی باوضو ہوکر تیار رہنا چاہیے تھا، اذان کے بعد وضو کے لیے جانا طالبِ علم کی شان کے مناسب نہیں)۔

۵:- امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے: ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بھی لکھی ہے، اس پر عمل بھی کیا ہے، یہاں تک کہ یہ حدیث نظر سے گزری کہ ''(ایک بار) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور ابوطیب (نامی پچھنے لگانے والے شخص) کو ایک دینار دیا'' تو میں نے بھی (ایک بار) پچھنے لگوائے اور حجام کو ایک دینار دیا''۔

۶:- ائمہ سلف کے ہاں کوئی حدیث سننے کے فوراً بعد اس پر عمل کی حرص کے تعلق سے خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: ''ابوجعفر ابن حمدان رحمہ اللہ نے ''صحیح مسلم'' پر ''مستخرج'' (''صحیح مسلم'' کی احادیث کی دیگر زائد سندوں پر مشتمل کتاب) لکھی، وہ لوگوں کو (یہ کتاب) پڑھا رہے تھے، اس مجلس میں امام ابوعثمان حیری رحمہ اللہ بھی موجود تھے، (کتاب پڑھنے کے دوران) یہ حدیث سامنے آئی: ''(ایک موقع پر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اِزار'' (نچلے دھڑ کو چھپانے والی لُنگی) اور ''رداء'' (جسم کے اوپر کے حصے میں اوڑھی جانے والی چادر) میں نماز پڑھی، کیا دیکھتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے لیے ابوعثمان حیری رحمہ اللہ ''اِزار'' اور ''رداء'' میں لپٹے تشریف لا رہے ہیں، یہ منظر دیکھ کر ابوجعفر ابن حمدان کے صاحب زادے نے ان سے دریافت کیا: ''ابا جان! ابوعثمان نے (حج یا عمرے کے لیے) احرام باندھا ہے؟ ابوجعفر نے فرمایا: ''نہیں بیٹا، آج شب میرے سامنے جو احادیث پڑھی گئی تھیں، ان میں ایک حدیث یہ بھی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) ''اِزار'' اور

''ردا'' میں نماز پڑھی تھی۔ابوعثمان نے چاہا کہ صبح ہونے سے قبل ہی اس حدیث پر عمل کرلیں۔'' (۷)

هُمُ الرِّجَالُ وَعَيْبٌ اَنْ يُّقَالَ لِمَنْ

لَمْ يَتَّصِفْ بِمَعَانِيْ وَصْفِهِمْ: رَجُلُ

(درحقیقت یہی لوگ ''مردانِ کار'' کہلانے کے لائق تھے، اور جو لوگ ان جیسے اوصاف سے مزین نہیں، انہیں ''مرد'' کہنا بھی معیوب ہے)۔

دوسرا پہلو: یہ کمزور پہلو بھی مختلف طلبہ میں عام ہے، خواہ حدیث کے طلبہ ہوں یا دیگر علوم کے، اور وہ ہے: اساتذہ کی صحبت اور ان سے استفادے میں کوتاہی، یہ سخت لاعلاج مرض ہے، سابقہ اسباب کے خطرناک ہونے کے باوجود میں نے ان کے متعلق یہ (سخت) کلمات نہیں کہے، اس لیے کہ دراصل یہ سبب اپنی حقیقت سے پھیر دیا گیا ہے اور یوں ایک قابلِ مذمت معاملہ، باعث مدح بن گیا ہے۔اس حقیقت کو کیونکر تبدیل کر دیا گیا؟! یہاں تک کہ تعریف کے طور فخریہ یوں کہا جانے لگا کہ فلاں صاحب نہایت باکمال (انگریزی تعبیر میں سیلف میڈ self made) ہیں، انہوں نے کسی استاذ کے (سامنے زانوئے تلمذ طے کیے) بغیر از خود علم حاصل کیا ہے، لفظی کھیل کھیلنے والوں کے لیے حقائق کو مسخ کرنا کس قدر آسان ہوگیا ہے؟! ابنِ رومی کے مشہور اشعار ہیں:

تَقُوْلُ: هٰذَا مُجَاجُ النَّحْلِ، تَمْدَحُهُ

وَإِنْ تَعِبْ قُلْتَ: ذَا قَيْءُ الزَّنَابِيْرِ

مَدْحًا وَذَمًّا وَمَا جَاوَزْتَ وَصْفَهُمَا

سِحْرُ الْبَيَانِ يُرِى الظَّلْمَاءَ كَالنُّوْرِ

(تم شہد کی تعریف کرنا چاہو تو کہو گے: یہ شہد کی مکھی کا لعاب ہے، اور مذمت کا ارادہ ہو تو کہہ سکتے ہو: یہ تو بھڑوں کی قے ہے۔تعریف و مذمت دونوں صورتوں میں یہ حد سے تجاوز نہ ہوگا، سچ ہے کہ جادو بیانی، تاریکی کو بھی روشنی باور کرا سکتی ہے)۔

حالانکہ راہِ علم میں جس شخص کے اساتذہ نہ ہوتے تو ہمارے علمائے سلف اس کو اہمیت و مرتبہ کے لائق نہیں سمجھتے تھے، اور نہ ہی اسے قابلِ التفات گردانتے یا علمی گفتگو کا اہل قرار دیتے تھے (اس نکتے سے متعلق درج ذیل دو واقعات ملاحظہ فرمائیے):

۱:- امام احمد رحمہ اللہ جب (خلقِ قرآن کے مسئلہ میں) آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہیں خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے دربار میں لے جایا گیا، مجلس میں اس فتنے کا سرخیل ابن ابی داود بھی موجود تھا، خلیفہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا:

''ان سے گفتگو کیجیے۔'' تو امام موصوف نے اس کی جانب سے چہرہ بھی پھیر لیا اور فرمایا: ''میں اس شخص سے (ایک علمی مسئلے کے متعلق) کیسے گفتگو کرسکتا ہوں جسے میں نے کبھی (حصولِ علم کی غرض سے) کسی عالم کے دَر پر نہیں دیکھا؟!''۔(۸)

۲:-امام ابوجعفر داؤدی رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۲ھ) علمائے قیروان میں سے ایک عالم تھے، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''ترتیب المدارک'' میں ان کے حالات درج کیے ہیں، قاضی صاحب رقم طراز ہیں: ''موصوف نے اکثر علم کسی مشہور امام سے حاصل نہیں کیا، بلکہ اپنے فہم وادراک کی بدولت اس مرتبے کو پہنچے۔'' بعدازاں ان کے اور ان کے شہر کے اہلِ علم کے درمیان پیش آمدہ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ علماء نے ایک مسئلہ میں ان پر نکیر اور تنقید کی اور انہیں یہ کہتے ہوئے جاہل قرار دیا: ''اُسْكُتْ، لَاشَيْخَ لَكَ۔'' (خاموش رہیے جناب! راہِ علم میں آپ کا کوئی استاذ نہیں۔''(۹)

یہ بات کافی طویل اور پہلودار ہے، ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں بے استاذ شخص کو ''امامِ مجتہد'' کا لقب دیا جارہا، بلکہ اسی کو سب کا فیصل ٹھہرایا جارہا ہے۔

ذخیرۂ حدیث وسنت پر خارجی حملے:

اب دیگر طبقات کی جانب سے ذخیرہ حدیث وسنتِ مطہرہ پر خارجی حملوں کے متعلق گفتگو کی جانب آتے ہیں، اس موقع پر متعدد گروہوں کی جانب سے ذخیرہ حدیث پر حملوں کے متعلق گفتگو ضروری ہے، اور آپ حضرات کی خدمت میں ان گزارشات کو اس امید کے ساتھ پیش کررہا ہوں کہ آپ اسے باہمی گفت وشنید اور لکھت پڑھت کا حصہ بنائیں گے اور باہم تعاون فرمائیں گے:

دینِ اسلام پر اس شرمناک حملے میں بہت سی کتب ورسائل اور انٹرنیٹ ویب سائٹس حصہ دار ہیں، محض ایک شخص نے ہی تین کتابیں لکھ ڈالی ہیں:

۱:-''جِنَايَةُ الْبُخَارِيِّ عَلَى الْحَدِيْثِ'' (علمِ حدیث پر (امام) بخاری (رحمہ اللہ) کی زیادتیاں)۔

۲:-''جِنَايَةُ الشَّافِعِيِّ عَلَى الْفِقْهِ'' (فقہی ذخیرے سے (امام) شافعی (رحمہ اللہ) کی ناانصافیاں)۔

۳:-''جِنَايَةُ سِيْبَوَيْهِ عَلَى النَّحْوِ'' (علم نحو میں (امام) سیبویہ (رحمہ اللہ) کی بدعنوانیاں)۔

ان ''کارناموں'' کو سرانجام دینے کے بعد اس شخص نے دینِ اسلام کے دامن میں کیا چھوڑا ہے؟!

ایک اور کتاب بھی میرے علم میں آئی ہے، جو دمشق سے پہلی بار سنہ ۲۰۰۲ء میں اور دوسری بار سنہ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی ہے، اس کی ورق گردانی کرکے میں نے کہا تھا: ''یہ کتاب ایسا بم ہے جو (سلف کی علمی) میراث کے محققین کی

تمام کاوشوں یعنی تمام کتبِ سنت وعلومِ سنت (کی عمارت) کو منہدم کرڈالے گا۔'' بعدازاں مجھے معلوم ہوا کہ مؤلفِ کتاب کا ذاتی اشاعتی ادارہ بھی ہے، اور موصوف نے اس ادارے سے دیگر (ہم فکر وخیال) لوگوں کی کتب بھی شائع کی ہیں، ان میں سے صرف ایک لکھاری کی دس کتابیں میرے علم میں آئی ہیں، جس کتاب کو میں نے ''بم'' قرار دیا تھا، ان دیگر کتابوں کی بنسبت تو اس ''بم'' سے حفاظت کا امکان موجود ہے۔ (ایک جانب یہ سب ہورہا ہے اور دوسری طرف) ہم خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں، البتہ ''عمان'' (اردن) سے پہلی کتاب کے تردید میں ''دِفَاعًا عَنِ الصَّحِيْحَيْنِ'' کے نام سے ایک کتاب چھپی ہے، نیز ''اردن یونی ورسٹی'' نے ''دفاعِ صحیحین کانفرنس'' کے عنوان سے ایک پروگرام کی دعوت دی ہے، اللہ تعالیٰ منتظمین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(اس موضوع پر تردیدی ودفاعی) کتب ورسائل (کی تالیف) کیلیے علمی میدان کھلا ہے، اس لیے کہ ذخیرۂ سنت کو منہدم کرنے کے لیے ان لوگوں کا کوئی فرد محض ایک کدال مارنے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ خود اپنی گینتیوں کے ذریعے حصہ ڈالتا ہے اور چیخ وپکار کرکے دیگر ہم خیال وفکر لوگوں کو بھی متوجہ کرتا ہے کہ وہ بھی اپنی کدالوں کے ذریعے حصہ لیں، اس مناسبت سے ہم یہ آیت (بجا طور پر) پڑھ سکتے ہیں: ''فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ ۔'' (البقرۃ:۱۹۴) (جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔) اجتماعی حملے کا مقابلہ، اجتماعی تردید سے ہی ہونا چاہیے۔

شروحِ حدیث کی جانب التفات کی اہمیت وضرورت:

کچھ دیر قبل میں نے علومِ سنت کا اشتغال رکھنے والوں کی داخلی کمزوریوں کے تذکرے کے ضمن میں دوسرا نکتہ ذکر کیا تھا کہ ان کے ہاں سنت کے معانی ومفاہیم، اس کی شرح وتوضیح اور فقہ میں انہماک کے پہلو سے کمزوری ہے، نیز یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس کمزوری کے نتیجے میں ایک اور کمی پیدا ہوئی، یعنی اجتہادات کے متعلق علمی انارکی اور بے ضابطگی اور علم واہلِ علم پر دست درازی، اس موقع پر یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس نکتہ پر آگے مزید عرض کروں گا: (اس مرض کا) ایک احتیاطی وحفاظتی تدبیر یہ ہے کہ عوام وخواص میں شروحِ حدیث اور ان کے متعلقات کا پڑھنا پڑھانا عام کیا جائے، یوں وہ علمی سمجھ بوجھ پھیلے گی جو ہمارے علمائے سابقین کی زندگیوں میں (دِکھتی) تھی، یہی ''عقلیتِ ایمانی'' ہے جو وحیِ قرآنی اور وحیِ نبوی سے مستفاد ہے اور غیروں سے درآمدہ افکار کے تاثر اور آمیزش سے پاک ہے۔

اپنے دین کے سلسلے میں حریص مسلمان ان شروحِ حدیث میں کسی آیت یا حدیث کے فہم کے متعلق اشکالات کا

شافی جواب پائے گا، البتہ اگر جدید طرزِ حیات اور تہذیبِ نو کی بنا پر کوئی اشکال پیدا ہو تو سلف کی راہ پر گامزن مضبوط عالم کے ہاں اس کا جواب بھی ضرور مل جاتا ہے۔ جزوی مشکلات کے علاوہ ان شرحوں میں تحقیق کرنے والے عالم کو علمی اخلاقیات کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے، یہ علمی اخلاقیات اس علمی منہج سے مربوط ہیں جو ہر طالب علم کو اختیار کرنا چاہیے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بحث وتحقیق میں نہایت ٹھہراؤ سے کام لینا چاہیے، کتاب وسنت کی نصوص یا اہلِ علم کی عبارات، جو بظاہر متعارض ہیں، ان کی بابت ایک طالب علم کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟ کیونکہ بسا اوقات شارحینِ کرام، نصوص اور عبارات یکجا کر دیتے ہیں اور طالب علم حیران وسرگرداں رہ جاتا ہے کہ اس نوع کے باہم متصادم امور سے چھٹکارا کیسے حاصل ہوگا؟ پھر دیکھتا ہے کہ شارح موصوف خود ہی اطمینان بخش جواب پیش کر دیتے ہیں۔ سمجھ دار محقق وہی ہے جو جزوی جواب سے استفادہ سے قبل ایک غور وتدبر کرنے والے طالب علم کے مقام پر کھڑا ہو کر (اس کے پس منظر میں کارفرما علمی) منہج سے استفادہ کرے، اس منہج سے وابستہ شرحوں میں خاص طور پر (حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی) ''فتح الباری'' اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ کی ''شرح المواھب'' (قابلِ ذکر) ہیں، آخر الذکر کا (اس منہج سے) زیادہ تعلق ہے۔ ان ائمہ (محدثین وشارحین) کے کلام کے ضمن میں ایسے ضابطے ملتے ہیں، جو مشکل مباحث میں (درست) موقف اختیار کرنے میں رہبر ثابت ہوتے ہیں۔

عقل ونقل کے درمیان تصادم سے اجتناب:

اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب میں ہمیں نقل اور عقل میں تصادم پیدا کرنے سے ڈرایا ہے اور تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی عادت رہی ہے، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ط قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ط قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ''(البقرۃ:٦٧)(اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو، وہ لوگ کہنے لگے کہ: آیا آپ ہم کو مسخرہ بناتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نعوذ باللہ! میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں!)۔

(یہ واقعہ) آپ حضرات کے علم میں تو ہوگا، خلاصہ یہ ہے: ''بنی اسرائیل میں قتل کا ایک واقعہ پیش آیا، مقتول کے اولیاء، قاتل کو نہیں جانتے تھے، سمجھ دار لوگوں نے رائے دی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے عرض کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے انہیں قاتل کے بارے آگاہی فراہم کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ان سے کہو کہ ایک گائے ذبح کریں۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا جواب پہنچایا تو وہ کہنے لگے: ''کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟'' تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ

کی پناہ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جاہلوں جیسی حرکت کروں اور اس کی جانب وہ بات منسوب کردوں جس کا اس نے حکم نہیں دیا۔'' یہ کہنے کی نوبت اس بنا پر آئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو اپنی عقلوں کی کسوٹی پر پرکھا تو انہیں سوال وجواب میں مناسبت سمجھ نہ آئی، سوال تھا کہ ''قاتل کون ہے؟'' جواب ملا: ''گائے ذبح کرو۔'' علیم وخبیر اور حکیم ذات کے حکم کے سامنے ضعیف وکوتاہ عقلِ انسانی کو فیصل بنانا یہی تو ہے۔

بنی اسرائیل کے اس واقعہ کو نقل کر کے گویا اللہ تعالیٰ ہم سے فرمارہے ہیں کہ اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم موسیٰ علیہ السلام کی امت کی مانند نہ بننا، ان کا حال تو یہ تھا کہ کہنے لگے: ''سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا'' (ہم نے سن لیا اور مانا نہیں) تمہاری شان یہ ہے کہ تم کہو: ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' (ہم نے سن لیا اور مان لیا)۔ ہمارے سامنے اس قصے کو بیان کرنے کے فوائد میں ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے۔

داخلی ضعف سے متعلق چند اہم عملی نکات:

اصحابِ کمال وفضیلت! اب تک میں اپنی مقصودی گفتگو شروع نہیں کر پایا، جبکہ وقت ہم پر حاکم ہے، ہمارا محکوم نہیں، بہتر ہوگا کہ سابقہ گفتگو کا خلاصہ عرض کروں:

داخلی ضعف سے متعلق مذکورہ نکات کا حاصل محض ایک ہدف کا حصول ہے، وہ یہ کہ ہم طالب علم کو ایسا تیار کریں کہ وہ جس راہ پر چلنے کا عزم رکھتا ہے اس کی اہلیت اس میں پیدا ہوجائے، اپنے علمی اختصاص (حدیث، فقہ، اور اصول وغیرہ) میں بھی اور عملی میدان (دعوت وارشاد، عام (عوامی) وعظ ونصیحت، تدریس، تالیف وتحقیق، افتا وقضا، وغیرہ) جس میدان میں بھی وہ جائے، ہم اپنی نگرانی میں اسے (اس میدان کی) مضبوط تیاری کروادیں۔ (ان امور کی بنیادی اہلیت پیدا کرنے کے چند ذرائع درجِ ذیل ہیں):

۱:- ہمارے ساتھ اس کا علمی ربط وتعلق برقرار رہے، خواہ اس کی عمر بڑھ جائے اور اس کی (رسمی) فراغت کو طویل زمانہ گزر چکا ہو۔

۲:- جس میدان میں وہ جانا چاہتا ہو، اس کی عملی مشق کرادی جائے، مثلاً: اسے عام (عوامی) درس وخطابت اور تالیف وتحقیق کی تمرین کرائی جائے، اور اسی طرح دیگر کاموں کی بھی مشق کرائی جائے۔

اس موقع پر اس جانب توجہ دلانا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ علمائے ہند اور ان کے قریبی ممالک (پاکستان وبنگلہ دیش وغیرہ کے علماء) میں ایک اچھی صورت رائج ہے، ان کے جامعات میں (تمرینِ) فتوی کا ایک مستقل شعبہ ہوتا ہے، حسبِ ضرورت ایک یا زائد علما اس شعبے کی نگرانی کرتے ہیں اور ان کی نگرانی میں اس جامعہ کے فضلاء (افتاء

کی) تمرین کرتے ہیں، جو استفتاءات آتے ہیں، ان سب کے جوابات یہ فضلاء لکھتے ہیں، پھر اپنا لکھا ہوا اساتذہ کے روبرو پیش کرتے ہیں، اساتذہ ان (فتاویٰ) کی ترمیم وتصحیح کرکے جواب درست کرتے ہیں اور پھر اپنا دستخط یا مہر ثبت فرماتے ہیں۔

۳:- ہمارے فضلاء، عقیدہ، فقہ اور تربیت وسلوک کے تعلق سے ہمیشہ جمہور علمائے اسلام کے مسلک پر گامزن رہیں، چلتے پھرتے (بے بنیاد) افکار وخیالات اور اہلِ علم کے تفردات وشذوذ سے دور رہیں۔

۴:- اسلام کے قرنِ اول میں گزرے اسلافِ امت سے ان کا روحانی تعلق مضبوط تر ہو، تاکہ اگلوں کی روح پچھلوں میں سرایت کرجائے، امت کے پچھلے طبقے کی اصلاح انہیں بنیادوں کے ذریعے ہوسکتی ہے، جو امت کے پہلے طبقے کی اصلاح کا ذریعہ ثابت ہوئی ہیں۔

خارجی حملوں کا دفاع کیسے ہو؟

دوسرے زمرے (ذخیرہ سنت پر خارجی حملے) سے متعلق گفتگو، ایک دو گھنٹوں سے زیادہ دورانیے کی متقاضی ہے، سرِ دست آپ حضرات کی خدمت میں اس حوالے سے ابتدائی نوعیت کی گذارشات پیش کی جارہی ہیں، اس سلسلے میں آپ حضرات کی ایک جماعت، ایک مضبوط مرکز کی بنیاد رکھے، جس میں درجِ ذیل چار امور پر یکسوئی سے کام کیا جائے:

۱:- ذخیرۂ سنت سے متعلق قرونِ اولیٰ سے (مختلف ادوار میں) مختلف اسلامی فرقوں کی جانب سے جو اشکالات واعتراضات لکھے گئے ہیں، انہیں یکجا کیا جائے، قدیم کتب سے ان کا مطالعہ کیا جائے اور اس دور سے آج تک عہد بہ عہد جائزہ لیا جائے، کتابیں، جدید منشورات، رسائل، میعادی (ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ بنیادوں پر چھپی) کتب ورسائل، سی ڈیاں، الیکٹرونک ویب گاہیں پروگرام وغیرہ بھی جمع کیے جائیں۔

۲:- پھر غور وتدبر اور باریک بینی کے ساتھ اس پورے مواد کا جائزہ لیا جائے اور ان میں شامل افکار ونظریات اور دلائل کو ترتیب دیا جائے۔

۳:- بعد ازاں فتنہ انگیزی اور (ان لوگوں کی مانند) بے بنیاد الزامات پر مبنی اسلوب اختیار کیے بغیر مضبوط علمی جوابات تحریر کیے جائیں۔

۴:- پھر دو نوعیت کی تالیفات مرتب کی جائیں:

۱:- افکار وموضوعات اور مسائل پر مشتمل کتابیں۔

۲:-ان افکار وموضوعات کے حاملین کے ناموں اور لکھاریوں کے اعتبار سے لکھی گئی کتابیں۔

تاکہ کوئی محقق کسی خاص موضوع کے متعلق جاننا چاہے تو اسے اپنا مطلوب حاصل ہوجائے اور اگر کسی خاص شخصیت کی شاذ آراء سے آگاہی کا ارادہ ہو تب بھی اسے مقصود حاصل ہوجائے۔

امید ہے آپ حضرات اس منصوبے کی ترقی اور درست راہ پر گامزن رہنے کے حوالے سے اپنی تجاویز تحریر فرما کر ''جائزۃ الإمام محمد قاسم النانوتویؒ'' کے ای میل ایڈریس پر ارسال فرمادیں گے، جو آپ حضرات کے علم میں ہے۔

مردانِ کار کی ضرورت:

اس مرکز کو بڑی تعداد میں قدیم وجدید کتب ورسائل دست یاب ہوں گے، اس بنا پر اس کام کے لیے ثابت قدم اور صبر وتحمل سے متصف رجالِ کار کی ضرورت ہے، اور ایسے محققین کی ضرورت ہے جو دقت رسی اور غور وتدبر کے ساتھ علمی تحقیق کا مزاج رکھتے ہوں، کسی بھی قول کو اس کے اصل ماخذ سے لیں، اور کشادہ دلی وخندہ روئی کے ساتھ تحقیق کی راہ میں مشقتوں کا سامنا کرسکیں۔ اگر ہم نے ذخیرہ سنت کی خدمت کے لیے کام کرنے والوں کے ایک محل کی تعمیر واصلاح کرلی اور ذخیرہ سنت کے خلاف سازش کرنے والوں کے مقابلے کے لیے دفاعِ سنت کی غرض سے ایک مضبوط باڑ لگادی تو گویا اس دور میں ہم (طبقہ علماء) پر جو اہم ذمہ داریاں ہیں، ان میں سے دو ذمہ داریاں ہم پوری کرپائیں گے، جن کا تعلق ہمارے دین کے دوسرے ماخذ کے ساتھ ہے، جو اگرچہ ترتیب کے اعتبار سے تو دوسرے درجہ میں ہے، لیکن دین کی توضیح وتفصیل کے پہلو سے پہلے درجہ کا حامل ہے۔

(اس گفتگو کے دوران کسی نوع کی) کمی کوتاہی اور لغزش پر اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوں اور اسی ذات سے توفیق اور قول وفعل میں اخلاص کا سوالی ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حواشی

۱:-ملاحظہ فرمائیے: ''صفحات مضيئة من حياة سيدى الوالد العلامة محمد عوامة بقلم ابنه الدكتور محى الدين بن محمد عوامة ،ص:۱۱۹، دارالیسر۔ اس رسالہ میں شیخ موصوف کے صاحب زادے ڈاکٹر محی الدین عوامہ نے ان کے تفصیلی حالات قلم بند کیے ہیں۔

۲:-ایضا۔

۳:-شیخ نورالدین عتر رحمہ اللہ بروز بدھ، ۶ صفر ۱۴۴۲ھ کو سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے، اللہ تعالیٰ علماء وصلحاء کی جدائی سے امت مسلمہ کو درپیش نقصان کی تلافی کا سامان فرمائے۔

۴:-اس سلسلے میں سعودی عالم شیخ یحییٰ عبدالعزیز یحییٰ کی کاوشیں، ''اردن'' کے شہر ''اربد'' میں قائم ''مرکز منارۃ الھدی القرآنی للعلوم الشرعیۃ'' کی مساعی اور ہمارے ہاں مدرسہ ابن عباس گلستانِ جوہر کراچی کی کوششیں بھی بارآور ثابت ہورہی ہیں، ہمارے جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں اب تک یہ سلسلہ غیر رسمی طور پر جاری تھا، اب جامعہ کی مجلسِ تعلیمی نے درجہ ثانیہ تا دورہ حدیث تمام طلبہ کے لیے احادیث کی مقررہ مقدار کا حفظ لازم قرار دے کر اسے امتحانی نظم کا حصہ بنانے کا فیصلہ کیا ہے، جس سے اچھے نتائج کی امید ہے، بعض دیگر اداروں میں بھی اس نوعیت کی محنت کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مساعی کو ثمر آور اور نتیجہ خیز بنائے۔

۵:-شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ نے حفظِ حدیث کے لیے ''ریاض الصالحین'' کی تجویز پیش فرمائی ہے، بہتر ہوگا کہ اس سے قبل امام نووری رحمہ اللہ کی ''اربعینِ نووی'' اور اس نوع کے کسی مجموعہ یا حسبِ ضرورت اس نوعیت کی احادیث کا انتخاب کرکے حفظ کرایا جائے، اگلے مرحلے میں ''ریاض الصالحین'' اور پھر ''موطا مالک'' و ''کتبِ صحاح'' کا حفظ عمل میں لایا جائے، بہرکیف احادیث وکتب کے انتخاب میں طلبہ کے مستویٰ کی رعایت رکھتے ہوئے درجہ بندی ضروری ہے۔

۶:- شمائل النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم للإمام الترمذی، باب ماجاء فی صفة سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ،ص:۱۰۶، رقم الحدیث:۱۰۸، تحقیق الدکتور ماھر الفحل دارالمنہاج القویم، دمشق، شام، ۱۴۴۲ھ۔

۷:-الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، للخطیب البغدادی رحمہ اللہ ،باب آداب الطلب، ص:۵۱-۵۳۔ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبعہ اولٰی، ۱۴۷۱ھ-۱۹۹۶ء

۸:-الإلماع للقاضی عیاض رحمہ اللّٰہ، باب فی شرف علم الحدیث و شرف اھلہ ،ص:۲۸، تحقیق السید اَحمد صقر رحمہ اللہ، دارالتراث، قاہرہ، مصر، طبعہ اولٰی، ۱۹۶۹ء

۹:-ترتیب المدارك وتقریب المسالك للقاضی عیاض رحمہ اللہ، ترجمۃ: ابی جعفر احمد بن نصر الداودی الاسدی، ج:۲،ص:۲۲۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

اس موضوع پر ندوۃ العلماء (لکھنو، انڈیا) کے استاذ الحدیث مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی حفظہ اللہ کی کتاب ''علم بلا استاد اور اس کے خطرات'' مفید ہے، جس کا پہلا ایڈیشن ادارہ احیائے علم ودعوت (لکھنو) سے محرم ۱۴۳۷ھ/ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں شائع ہوچکا ہے۔

☆.....☆.....☆

عصری تعلیم اور دینی مدارس

مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

یہ ایک حقیقت ہے کہ دینی مدارس، مکاتب اور جامعات اسلام کے قلعے اور دینِ اسلام کے سرچشمے ہیں، ان کا اصل مقصد تعلیم وتربیت اور تزکیہ نفوس ہے، جناب نبی کریم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد قرآن کریم میں بیان فرمائے گئے ہیں، بنیادی طور پر وہ تین چیزیں ہیں، تلاوتِ کلام، تعلیم کتاب وحکمت، تزکیہ نفوس، یہ وہی مقاصد ہیں جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والتسلیم نے بناء بیت اللہ کے وقت حق تعالیٰ سے دعا مانگی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ان مقاصد کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو اعلیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ (الجمعۃ:۲)

''حق تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں۔''

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران میں بھی بعثت کے ان مقاصد کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں بعثت کے ان مقاصد کی تکمیل جس احسن انداز سے فرمائی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک ایسی قدسی صفات جماعت تیار ہوئی جو اپنے ایمان، اخلاق، کردار اور اوصاف حمیدہ کے اعتبار سے بے مثل اور رشکِ ملائکہ بن گئی۔ جو لوگ بکریوں کے چرواہے تھے وہ اقوامِ عالم کے امام اور تاج دار قرار پائے، لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے اس حقیقت کو بڑی ہی خوبصورتی سے ان اشعار میں بیان فرمایا ہے۔

دُرفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا — دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بگڑی ہوئی اورامی قوم کی اصلاح کے لیے جو تیر بہدف اور ربانی نسخہ استعمال فرمایااس کے یہی مذکورہ تین اجزاء تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل ۱۳؍سالہ مکی دور میں قرآن کریم کی تعلیم اورتزکیہ نفوس کے لیے شعب ابی طالب اوردار بنی ارقم کا انتخاب فرمایا، پھر ہجرت کے بعد اس مقصد کے لیے سب سے پہلا مکتب، جامعہ، درس گاہ اور خانقاہ وتربیت گاہ مسجد نبوی کا وہ صفہ اور چبوترہ تھا جس سے کتاب وحکمت کی تعلیم اور تربیت حاصل کر کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیار ہوئے ،جنہوں نے دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور وہ انقلاب پیدا فرمایا اقوام عالم میں جس کی مثال نہیں ملتی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے حضرات تابعین، تبع تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی امت کی اصلاح کے لیے اسی مجرب قرآنی اور ربانی نسخہ کا استعمال فرمایا، دینی مدارس، جامعات اور تربیتِ اخلاق کے لیے اصلاحی اور روحانی خانقاہوں کے ذریعہ امت کی اصلاح فرمائی، اور جگہ جگہ روحانی تربیت گاہوں اور مدارس کا جال بچھادیا، جس کے ذریعہ ہر دور میں اہل علم حضرات ،محدثین کرام، فقہا کرام اور مصلحین جامع شریعت وطریقت تیار ہوتے رہے، جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو شریعت وطریقت کا جامع ،علم الٰہی، علم نبوت ،نور نبوت کا حامل اور عامل بنایا، فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء عن الاسلام والمسلمین۔

اصلاح امت کا یہ ایسا مجرب نسخہ ہے جو اصلاحِ امت کے لیے ہر دور میں کارگر ہے، کما قال الامام مالک رحمہ اللہ:

لن یصلح آخر هٰذه الامة الابماصلح به اولها.

ہمارے اس بیان سے واضح ہے کہ: دینی مدارس کا مقصد کتاب وحکمت کی تعلیم اور دینی تربیت واصلاح اخلاق کے سوا کچھ بھی نہیں، قرآن وسنت کے ماہر فقہ اسلامی کے شناور شریعت وطریقت کے جامع مصلحین امت، دین کے ہر شعبہ میں ماہرین تیار کرنا دینی مدارس کے اہم فرائض میں شامل اور ان کا اصل مقصد ہے، اور یہی علوم مقصودہ اور علوم عالیہ ہیں۔ باقی علوم وفنون علوم آلیہ کے درجہ میں ہیں جو بقدر ضرورت پڑھائے جاتے ہیں، لیکن یہ مدارس کا اصل مقصد نہیں ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں صدیوں تک دینی علوم کو دینی اداروں میں بطور مقصد وعلوم عالیہ اور دیگر علوم وفنون کو علوم آلیہ کے درجہ میں پڑھایا گیا۔ دینی علوم قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، پڑھنے پڑھانے کا اصل مقصد ہمیشہ وہی رہا جو سطور بالا میں تحریر کیا گیا، یاد رہے کہ یہ دینی علوم محض حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے پڑھے اور پڑھائے جاتے تھے، ان کے پڑھنے کا مقصد ہرگز دنیوی مناصب اور عہدے حاصل کرنا یا دنیا کمانا نہیں تھا۔

برصغیر میں برطانیہ کے تسلط کے بعد جب دینی مدارس کو ختم کرنے اور علوم عالیہ کو مٹانے کی ہر ممکن کوششیں کی

گئیں،اس وقت بھی علماء حق اور ہمارے اکابر علماء دیوبند جن میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) سرفہرست ہیں، ان اکابر اور بزرگوں نے دیوبند نامی قصبہ میں دین کا ایک ایسا چشمہ جاری کیا جس سے آج پوری دنیا سیراب ہو رہی جو صحیح معنیٰ میں **اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء** کا مصداق ثابت ہوا۔ ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں ایشیا کی اس عظیم یونیورسٹی سے جو اعاظم رجال تیار ہوئے اور انہوں نے قرآن وسنت اور اسلامی علوم کی جو خدمت کی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ظفر علی خان مرحوم نے دار العلوم کی صد سالہ بے مثال اور عظیم خدمات سے متعلق بالکل صحیح کہا ہے۔

شاد باش وشاد زی اے سرزمین دیوبند = ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

دیوبند کے فضلاء نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں پھیل گئے اور انہوں نے جگہ جگہ دینی علوم اور اصلاح وتربیت کے لیے دینی مدارس اور اصلاحی مراکز کا جال پھیلا دیا، جس سے انگریز کے عزائم خاک میں مل گئے اور اسلامی علوم کے مٹانے کی ان کی تمام کوششیں دم توڑ گئیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ ہر دور میں علماء حق نے تمام تر نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر طرح کی قربانیاں دے کر قرآن وسنت کو سینہ سے لگایا اور اپنے کردار وعمل سے ثابت کر دیا۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن = پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

برصغیر میں جبر واستبداد اور بلا شرکت غیرے طویل عرصہ تک دور غلامی میں رہنے کے باوجود اس دور کے علماء کرام اور مسلمانوں نے اسلامی علوم کو نہ صرف محفوظ اور باقی رکھا بلکہ اسے دوسری نسلوں تک بھی منتقل کیا، یہ ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک تاریخ کے اوراق پر چمکتا رہے گا اور یہ عظیم کارنامہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی پر باقی رہے گا............ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

برصغیر کی آزادی اور مملکت اسلامیہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد خیال تھا کہ اس ملک میں جسے اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، حکومت علوم اسلامیہ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی تعلیم کے لیے دینی مدارس کا قیام عمل میں لائے گی لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا بلکہ حکومت نے وہی دنیوی علوم وفنون کے لیے اسکول وکالج اور یونیورسٹی قائم کیں جو انگریز کے دور میں قائم تھیں، اسلامی علوم کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی جس سے ان کے ضائع ہونے کا سخت خطرہ تھا، ظاہر ہے کہ اہل حق علماء کرام اور مسلمانوں کے لیے اس صورتحال کو برداشت کرنا قطعاً ناممکن تھا اس لیے انہوں نے دینی علوم اور اسلامی اقدار کے تحفظ کے لیے جگہ جگہ مدارس، جامعات قائم کئے جن کا اصل مقصد دینی علوم کا بقاء تحفظ اور دوسروں تک اس کا ابلاغ تھا، ستر سال کی تاریخ گواہ ہے کہ ارباب مدارس اپنے اس مقصد میں

سو فیصد کامیاب ہیں،فلله الحمد وله الشکر۔

انگریز نے برصغیر پر قبضہ کے بعد لارڈ میکالے کا نظام تعلیم جاری کیا جس کا مقصد مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کر کے نعوذ باللہ عیسائی اور غیر مسلم بنانا تھا،اسی لیے اہل اسلام اہل حق اور بہت سے مسلمانوں نے اس نظام تعلیم سے اتفاق نہیں کیا اور دینی علوم کے حصول کے لیے الگ مدارس قائم کئے،افسوس کہ یہی صورتحال پاکستان بننے کے بعد بھی جاری ہے کہ حکومت عصری کی تعلیم کا انتظام تو کر رہی ہے لیکن دینی علوم کی طرف اس کی کوئی توجہ نہیں ہے، اس طرح مسلمان نظام تعلیم کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اوران دونوں طبقوں میں وسیع خلیج حائل ہو گئی ہے، جسے پاٹنے کے لیے ضروری تھا کہ کچھ عملی اقدام اور مؤثر کوشش کی جائے ،اس سلسلہ میں ارباب علم ودانش اور اصحاب فضل وکمال نے بہت سی تجاویز دیں اور بعض حضرات نے کچھ عملی اقدام کئے۔

کچھ عرصہ سے اس تجویز پر زور دیا جا رہا ہے کہ دینی مدارس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں تا کہ عصر حاضر کے تقاضے پورے ہو سکیں اور جو خلیج حائل ہے اسے بھی ختم کیا جا سکے، یہی وجہ ہے کہ اس مخلوط تعلیم کا مطالبہ حکومت کی طرف سے بھی ہمیشہ کیا جاتا ہے۔

عصری علوم کی اہمیت وضرورت سے اگر چہ انکار ممکن نہیں ایک حد تک ان کا حصول بھی ناگزیر ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ دینی مدارس کے مقاصد میں عصری علوم کے فضلاء تیار کرنا نہیں ہے ،عصری علوم جس قدر ضروری ہیں انہیں درس نظامی سے پہلے ہی بقدر ضرورت پڑھ لینا کافی ہے، پھر جب درس نظامی کا آغاز ہو اس میں ان عصری علوم کی آمیزش ہرگز مناسب نہیں، کیونکہ اس طرح کرنے سے دینی علوم کے ماہر قرآن وحدیث فقہ اسلامی کے جید علماء اور جامع مدرسین تیار نہیں ہو سکیں گے الاماندر والنادر کالمعدوم

یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ خلط سے نتیجہ اخس وارزل کے تابع ہوگا،اس لیے مدارس کا جو اصل مقصد ہے وہ کما حقہ حاصل نہیں ہو سکے گا،وھذا اظھر من الشمس وابین من الامس ،اسی لیے ہم اس خلط کے حق میں نہیں ہیں۔اس حوالہ سے اکابر وفاق کے کئے گئے گزشتہ تمام فیصلے حق اور صحیح نیز مدارس کے مقصد تاسیس کے عین مطابق ہیں۔

علماء کرام اور فضلاء مدارس کے لیے عصری علوم حاصل کرنے کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ درس نظامی سے فراغت کے بعد اگر چاہیں تو عصری علوم کو اچھے ماحول میں رہ کر پڑھ سکتے ہیں،ان پر کوئی قدغن نہیں لیکن درس نظامی کے ساتھ پڑھنا ان کے لیے قطعاً صحیح نہیں۔

جہاں تک عصری علوم کے حوالہ سے موجودہ حالات کے تناظر میں دینی مدارس کی ذمہ داری کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں ہمارے خیال میں سب سے بہترین تجویز وہی ہے، جو آج سے چودہ سال قبل مؤرخہ ۲۵/اگست ۲۰۰۷ء

میں جامعہ حقانیہ ساہی وال سرگودھا کے سالانہ جلسہ کے موقع پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر مخدوم ومکرم رئیس المحدثین حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان نوراللہ مرقدہ نے پیش فرمائی تھی کہ ارباب مدارس اس مقصد کے لیے الگ سے عصری مدارس قائم کریں اوراس میں پورے عصری علوم کو اسلامی اور دینی ماحول میں رہتے ہوئے پڑھائیں، اس سے جہاں عصری علوم کے ماہرین تیار ہوں گے وہاں عصری تقاضے بھی بحسن وخوبی پورے ہوسکیں گے اوران عصری مدارس سے مدارس کے فضلاء بھی استفادہ کرسکیں گے۔

اپنے اپنے طور پر تو اگرچہ بعض مدارس اس مہم کو سرکررہے ہیں لیکن تاہنوز تحریک کی صورت میں اسے نہیں پیش کیا گیا۔ ذمہ داران وفاق المدارس العربیہ پاکستان اس تحریک کو اگر وفاق المدارس کی طرف سے چلائیں اور وہ دینی مدارس کے حضرات کا اس سلسلہ میں تعاون اور رہنمائی کریں تو امید ہے کہ یہ مہم وفاق سے آفاق میں پھیل جائے گی اوراس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوں گے۔

واللّٰہ الموفق والمعین ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم۔

نصائح برائے معلمین ومعلمات

جب حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ تدریس کے لئے جامعہ ڈابھیل جانے لگے، تو حضرت فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ نے ان کو مندرجہ ذیل چودہ قیمتی نصیحتیں فرمائی تھیں، جو ہر مدرس کے لئے ایک قیمتی سوغات ہے: (۱) عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے کے لیے دی جائے، یا فلاں منصب حوالہ کیا جائے۔ (۲) پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اتنی کردو، یا اس میں اتنا اضافہ کردیا جائے۔ (۳) اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں، تو دل سے اس کا اقرار کرنا اور کہنا کہ ہاں بھئی! میں تو بالکل لائق نہیں؛ مگر مدرسہ والوں نے بٹھادیا ہے، اللہ تعالی مجھے اس کی لیاقت دے اور کتابوں کا حق مجھ سے کسی طرح ادا کروائے۔ (۴) کوئی طالب علم اگر سوال کرے تو شفقت سے اُس کا جواب دینا اگرچہ براہ طعن سوال کرتا ہو۔ (۵) کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا مانگنا، اور مصنفِ کتاب کے لیے ایصالِ ثواب کرنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ (۶) دوسرے کی کتاب میں کسی طالب علم کو بتانے میں احتیاط کرنا۔ (۷) طلبہ سے خدمت نہ لینا، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ "میں اپنے کسی مرید، شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔" (۸) طلبہ سے اختلاط نہیں چاہئے؛ اس لیے کہ اس میں مختلف اغراض سے آنے والے ہوتے ہیں۔ (۹) طلبہ کا احسان مانو کہ انہوں نے اپنے قلوب کی زمین آپ کے علم کی تخم ریزی کے لیے ہموار کی، ورنہ تو آپ کا علم یوں ہی رہتا، اپنا ان پر کوئی احسان نہ سمجھیں۔ (۱۰) طلبہ مختلف اغراض سے اشکالات کرتے ہیں، کوئی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے، کوئی استاذ کو پریشان کرنے کے لیے، وغیرہ وغیرہ؛ مگر سب کا جواب علی اسلوب الحکیم دینا، مناظرانہ انداز میں نہیں۔ (۱۱) روزانہ متعلقہ درسی کتاب کے مصنف کو تین مرتبہ {قل ھو اللہ احد} پڑھ کر ایصال ثواب کرتے رہنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ (۱۲) اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اُس سے رجوع کرنے میں تأمل نہ کرنا۔ (۱۳) مطالعہ کے بغیر کوئی کتاب نہ پڑھانا۔ (۱۴) اسباق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر وتلاوت وتسبیحات وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔ (مقدمہ محمود الفتاوی/ ۱۵۷، ۱۵۸)

عالی نسبتوں کے پیکر، اک مردِ قلندر شیخ اسکندر

(دوسری قسط)

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

حفاظ قرآن کے بڑے ادارہ کی سرپرستی:

پاکستان میں دینی وعصری علوم کے حسین امتزاج سے مرقع مثالی تعلیمی ادارہ "اقراء روضۃ الاطفال" ہے۔اس ادارے کی بنیاد اکابر جامعہ بنوری ٹاؤن نے 1984ء میں رکھی۔اس کے روح ورواں جامعہ بنوری ٹاؤن کے تین مایہ ناز تربیت یافتہ فضلاء وروحانی فرزند حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید، مفتی مزمل حسین کاپڑیا رحمہما اللہ اور مفتی خالد محمود مدظلہ تھے۔پہلی دونوں شخصیات رحلت فرما گئی ہیں،اس وقت ہمارے محترم مفتی خالد محمود سلمہ اللہ حیات ہیں۔اللہ ان کو سلامت باسعادت رکھے۔اس وقت پاکستان کے کونے کونے میں اس ادارہ کی دوسو سے زائد برانچیں ہیں، جہاں میٹرک سے پوسٹ گریجویٹ لیول تک عصری تعلیم اور حفظ وناظرہ سے لیکر درس نظامی تک دینی واسلامی تعلیم کا سلسلہ ہے۔اس عظیم تعلیمی نیٹ ورک کو چلانے والے مذکورہ تینوں حضرات "نائب مہتمم" کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں۔اب جو دو شخصیات دنیا سے رحلت فرما گئی ہیں تو ان کی جگہ پر دیگر کو متعین کیا گیا ہے۔اس معروف تعلیمی نیٹ ورک کی جہاں کئی انفرادی خصوصیات ہیں وہیں ان کا منفرد انتظامی وشورائی نظام بھی ہے۔

اس منفرد نظام میں سے ایک اس کے "مہتمم" کے حوالہ سے وضع کردہ طریقہ کار ہے۔

اس ادارے کا قیام امام اہل سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کی کوششوں سے کئی دور اندیش تعلیمی مقاصد کو سامنے رکھ کر عمل میں لایا گیا،اس کے پہلے باضابطہ "مہتمم" جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ تھے۔1995ء میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ (2000ء) حضرت اقدس سید نفیس شاہ الحسینی رحمہ اللہ (2008ء)،اور حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہم اللہ 2015ء تک اس ادارہ کے "مہتمم" رہے۔

2015ء میں حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد اس اعزازی "منصب

اہتمام" کیلئے اکابر واصاغر کے مرجع ،محبوب زمانہ ہستی حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمہ اللہ کو مقرر کیا گیا۔آپ نے تادم زیست اپنے پیش روؤں کی مانند اس منفرد اور وسیع تعلیمی نیٹ ورک کی مکمل سرپرستی فرمائی،اور آپ اپنی مکمل روحانی توجہات اور دعاؤں سے نوازتے رہے۔

نسبت کی منتقلی یہاں بھی دیگر مناصب کی طرح ہوئی.....اس ادارہ کے تحت ہزاروں طلبہ وطالبات حفظ قرآن کی سعادت حاصل کررہے ہیں اور پاکستان میں ہر سال سب سے زیادہ حفاظ اس ادارہ سے وابستہ ہوتے ہیں،جن کی تعداد چار سے پانچ ہزار تک ہوتی ہے،یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کار خیر میں بھی "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" کے صدقات جاریہ میں اضافہ فرمانا مقدر کیا ہوا تھا۔اور آپ اس منصب کی نسبت کو بھی دیگر نسبتوں کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

امت کی شرعی رہنمائی کی عالی نسبت:

اردو کا مقبول اخبار روزنامہ "جنگ" ہے۔ہر جمعہ کو اس کے اسلامی صفحہ پر "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے نام سے فقہی مسائل کے جوابات کا معروف سلسلہ برسوں سے جاری ہے۔اس کی ابتداء بھی جامعہ بنوری ٹاؤن سے اس وقت ہوئی تھی جب اس اخبار کے بانی میر خلیل الرحمٰن مرحوم کے کہنے پر محدث العصر حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ نے شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کو اس کام کیلئے مقرر فرمایا۔

لدھیانوی صاحب شہید رحمہ اللہ نے کئی سال تک امت کی شرعی رہنمائی کا فریضہ 2000ء میں اپنی شہادت تک انجام دیا۔آپ کی شہادت کے بعد برسوں کے اس کام کو جمع کر کے مرتب کیا گیا اور دس جلدوں میں شائع کی گئی جو ایک علمی مجموعہ کی شکل میں یہ ہر خاص وعام میں یکساں مقبول ہے۔

لدھیانوی صاحب شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن) ان مسائل کا جواب لکھتے رہے 2004ء میں آپ شہید ہوئے اور آپ کے لکھے ہوئے جوابات بھی چار جلدوں کے مجموعہ کی شکل میں موجود ہیں۔

آپ کے بعد مولانا مفتی سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ (مدیر ماھنامہ بینات وامیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی) نے یہ ذمہ داری 2010ء میں اپنی شہادت تک سنبھالی،یہ مجموعہ بھی تین جلدوں کی شکل میں الحمدللہ موجود ہے۔جلالپوری شہید رحمہ اللہ کے بعد یہ سلسلہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پاس دیگر نسبتوں کی مانند منتقل ہوا۔اور یہ مقبول سلسلہ تقریباً ساڑھے گیارہ برس تک جاری رہا۔ان شاء اللہ اس کو جمع وترتیب کا کام بھی شروع کیا

جارہا ہے۔ یقیناً یہ بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دیگر صدقات جاریہ کی مانند ایک شاہکار ذخیرہ آخرت کی شکل میں امت کے استفادہ کا بڑا ذریعہ ہوگا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد جامعہ کے موجود مہتمم فرزند محدث العصر حضرت مولانا سید سلیمان بنوری الحسینی سلمہ اللہ نے اس مقبول ومفید عام سلسلہ کی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا ہے۔

دینی وشرعی رہنمائی کا یہ مقبول عام سلسلہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے لیکر موجودہ وقت تک جامعہ وا کابر جامعہ کی دیگر امور کی مانند عنداللہ قبولیت کا ایک جاری سلسلہ ہے۔

شیخ سے عقیدت کی نسبت:

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میں دیگر نسبتوں کی طرح اپنے شیخ ومربی سے عشق وعقیدت کی نسبت بھی منتقل ہوئی۔ محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کو اپنے شیخ ومربی محدث کبیر حضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ سے سمندر کی مانند جس انتہاء درجہ پر عقیدت تھی ہم نے انہیں جذبوں کے رنگ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ میں راسخ دیکھے، بلکہ آپ "فناء فی الشیخ" کا حقیقی مصداق تھے، آپ کے سامنے آپ کے مرشد ومربی کا جیسے ہی ذکر آتا آپ کا حسین چہرہ نکھر کر کھل جاتا اور یکدم ہی فرقت شیخ میں آنکھیں نم سی ہوجاتیں۔

آج حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اس محبوبانہ عقیدت کی تمام سعادتوں اور برکتوں کو بھی اپنے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ کیونکہ اب ان جیسی عالی وارفع نسبتوں والا ابھی کوئی نہیں۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عشق ومحبت سے لبریز ان مجالس کی رونقوں کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شکل میں ہم نے سالوں دیکھا اور اپنے اکابر واسلاف کی گزری یادوں سے قلب ونظر کی تسکین بھی پاتے رہے۔

ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح وشام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

وفاء شعاری کے سراپا حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ساری زندگی دو کمرے کے جس گھر میں تقریبا اپنی زندگی گزاری اس کی بھی عجیب کہانی ہے۔

والد صاحب امام اہل سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ (جانشین محدث العصر) کے دور اھتمام میں جامعہ کے سامنے وسیع پلاٹ پر اساتذہ کیلئے رھائش گاہیں تعمیر ہورہی تھیں۔ ابتداء میں ان رہائشی عمارتوں کے دو بلاک بنائے گئے، بعد میں وقت کے ساتھ اس میں اضافہ بھی ہوا۔ ان دو میں ایک رہائشی بلاک دوسرے کی نسبت بڑا

تھا، والد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے کہا کہ "آپ نے ساری زندگی اس دو کمرے کے چھوٹے سے گھر میں گزاری ہے، اب اللہ نے ادارہ کے اساتذہ کیلئے رھائشوں کا مناسب انتظام کر دیا ہے اس لئے آپ اس بڑے والے بلاک میں دو گھروں کو پسند کر لیں۔ ہم ان کو یکجا کر دیں گے".....حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "میری ضرورت پوری ہو رہی ہے اور پھر میں نے اپنے شیخ و مربی رحمہ اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ زندگی کی آخری سانس تک ادارہ کے اندر ہی رہوں گا"۔ احباب جانتے ہیں کہ اساتذہ کی رہائشی عمارتیں جامعہ کے ساتھ متصل الگ حصہ پر ہیں.....زیادہ دور بھی نہیں ہیں، لیکن پھر بھی "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی رہائش جامعہ کے اندرون حصہ میں "افریقی دارالاقامہ" کے نام سے معروف عمارت کے ساتھ متصل رہی، آپ کے چھوٹے سے گھر سے متصل تقریباً ڈیڑھ کمرہ پر مشتمل ایک حصہ نمونہ اسلاف حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ (تلمیذ حضرت علامہ کاشمیریؒ وسابق استاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن وسابق صدر وناظم اعلی وفاق المدارس) کی رہائش گاہ تھی۔

1988ء میں عالم ربانی حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو آپ کے فرزند محترم شمیم ادریس میرٹھی (جو اس وقت جامعہ کے دفتر محاسب سے منسلک تھے) کو اساتذہ جامعہ کی رہائشی عمارتوں میں بڑے بلاک میں منتقل کر دیا گیا۔ اور ان کی قدیم چھوٹی سی رہائش (گھر) کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دو کمروں سے متصل ڈیڑھ کمرے میں شامل کرنے کیلئے پھر "حضرت والد صاحب رحمہ اللہ" نے فرمایا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے یہ بھی منع کر دیا اور کہا کہ "میری ضرورت تو پوری ہو رہی ہے، بعض اساتذہ کو زیادہ ضرورت ہوگی ان کو وہ حصہ دیدیا جائے" والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "ڈاکٹر صاحب آپ کے بچے بھی بڑے ہو رہے ہیں اور گھر کافی چھوٹا ہے اس لئے آپ کے گھر میں اس کو شامل کر دیتے ہیں" ان دونوں حضرات کا یہ مکالمہ چل رہا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ مسلسل انکار اور والد صاحب رحمہ اللہ اصرار کر رہے تھے۔ دونوں حضرات کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے ایک "معتقد" بھی بیٹھے سن رہے تھے۔ بعد میں انہوں نے والد صاحب رحمہ اللہ سے کہا کہ "اس حصہ کو گھر میں شامل کرنے کا کام میں کرادونگا"۔ یوں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دو کمروں والے چھوٹے سے گھر میں چند فٹ کے کچھ حصہ کا اضافہ ہوا۔ اور اپنے شیخ بنوری رحمہ اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو ایسا نبھایا کہ آخری سانس تک اسی گھر میں رہے، اور آپ کی میت بھی اسی گھر سے اٹھی اور پھر اپنے محبوب شیخ رحمہ اللہ کے پہلو میں جا کر آرام فرما ہو گئے۔

جامعہ میں امتحانات کے نتائج کے اعلان، سالانہ تعلیم کے آغاز اور اختتامی تقریب کے موقع پر طلباء کو جس دلنشین

انداز میں "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ "نصائح فرماتے وہ انتہائی مفید ومتاثر کن ہوتا۔ان اجتماعات میں اخلاص کے ساتھ اعمال کی پابندی،اساتذہ اور بڑوں کے ادب واحترام کی ترغیب ہوتی،اور حصول علم کی اہمیت اپنے علمی و اصلاحی تجربات کی روشنی میں انتہائی جامع ارشادات سے مستفید فرماتے۔

آپ کا یہی مشفقانہ ومحبوبانہ انداز تدریس کا بھی تھا۔اکثر دوران اسباق آپ طلباء کی فکری وروحانی تربیت کے حوالہ سے واقعات اور تجربات کو ناصحانہ انداز میں بیان فرماتے۔جامعہ کی اس قسم کی ہر تقریب، ہر اجتماع میں آپ اپنے شیخ ومربی حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ کے مزاج خاص اوران کے تذکروں سے کرتے۔"شیخ" کا ذکر آتے ہی آپ پر رقت سی طاری ہوجاتی، چند برس قبل تک تو یہ صورتحال تھی کہ اس کیفیت میں آپ کی ہچکی سی بندھ جاتی۔

واقعی آپ کو اللہ نے اپنے شیخ،اپنے استاد اور اپنے مربی کا ایسا ہی عاشق اور عقیدت مند بنایا تھا جیسے "وہ" (حضرت بنوری رحمہ اللہ) اپنے استاد ومربی محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کے عشق میں سرشار رہے،اسی لئے دنیائے علم کے حلقوں میں "ان" (حضرت بنوری) کو علوم انور شاہ کا "امین" کہا گیا۔

سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی موجوں کی مانند "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" کا اپنے شیخ سے تعلق قلبی وروحانی عقیدت کی اسی نہج کا مظہر تھا۔قلب وفکر کی عقیدت مندانہ عمیق محبت اور دقیق الفت کا اثر تھا کہ آپ نے اپنی زندگی کے ہر کام، ہر عمل میں اپنے محبوب شیخ ومربی کے مشرب، مزاج اور منہج کو ہی ترجیح دی۔اور فکر ونظر کے عاشقانہ جذبات کا یہی اثر تھا کہ اللہ نے شیخ بنوری رحمہ اللہ کو عطاء کی ہوئی تمام عالی وارفع نسبتوں کو بختوں وسعادتوں والے اس تلمیذ رشید حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمہ اللہ میں منتقل کیں.....اور "آپ" نے بھی نسبتوں والی ان تمام امانتوں کا حق ادا کرتے ہوئے سرفرازی وکامرانی کو اپنے حق میں مقدر فرمایا۔

یقیناً نسبت بنوری کے فکری ذوق ومزاج کے حامل "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" کی حیات باسعادت کا اس حوالہ سے ہر روپ روحانی جذبوں کی تسکین کا سبب رہا ہے....."اب ڈھونڈانہیں چراغ رخ زیبا لے کر"

بے لوث خدمت کی ایمان افروز مثال:

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے کئی درخشندہ اوصاف میں ایک دنیا سے بے رغبتی بھی رہی۔آپ نے اپنے شیخ و مربی محدث العصر علامہ بنوری رحمہ اللہ کے ادارہ کی خدمت کیلئے اپنی پوری زندگی وقف کر کے وفاء شعاری کی جو مثال قائم کی ہے وہ انتہائی قابل رشک ہے.....ایں سعادت بزور بازو نیست!

جامعہ بنوری ٹاؤن کی اپنی تاسیس سے اب تک جو پوری تاریخ ہے وہی داستان آپ کی بھی ہے۔مادر علمی سے

آپ کی وابستگی سب سے زیادہ طویل دورانیہ کی رہی ہے جو تقریباً سڑسٹھ (67) برس بنتے ہیں۔ درمیان میں چند سال آپ مدینہ منورہ اور جامعۃ القاھرہ مصر میں اپنی اعلیٰ تعلیم کیلئے گئے۔ یہ چار پانچ برس نکال دیں تو بھی تقریباً ساٹھ سالوں سے زائد کا عرصہ بنتا ہے۔ آپ نے اس مکمل عرصہ میں جامعہ سے کوئی تنخواہ، حق الخدمت یا وظیفہ نہیں لیا۔ آپ مدینہ منورہ سے مبعوث تھے جس کی وجہ سے آپ کا مشاہرہ عرصہ سے وہیں سے آتا تھا۔ اسی میں آپ نے اپنی پوری زندگی گزاری، چند برس قبل مشاہرہ کا وہ سلسلہ بند ہوگیا تو جامعہ کی مجلس شوریٰ نے ان سے درخواست کی کہ آپ کو ادارہ کی طرف سے تنخواہ کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے باوجود اصرار کے سختی سے منع فرمادیا۔

آپ کو جو مشاہرہ آتا تھا اس سے کراچی کے علاقہ محمود آباد میں آج سے تقریباً بیالیس برس قبل دوسو گز کا پلاٹ لیکر گھر بنایا تھا۔ وہ کرایہ پر دیا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ فروخت کرکے بنوری ٹاؤن کے علاقہ میں ہی فلیٹ لے لئے، اس کے کرایہ سے آپ اپنا نظام زندگی چلاتے تھے۔ نیز آپ کے دونوں فرزندوں کی طرف سے بھی گھر کے اجتماعی نظم میں تعاون کا سلسلہ رہتا تھا۔

آپ نے ساری زندگی جامعہ کے دو کمروں والے گھر میں گزاری، ایسا گھر جس میں ایک گیلری کے علاوہ صحن نام کی جگہ نہیں تھی۔ تین چار برس قبل اس گھر میں مزید ایک کمرہ کے اضافہ کے ساتھ دس بارہ فٹ کا گیلری نما صحن بھی بن گیا تھا۔

یہ اس عظیم مرد قلندر، مرد درویش ہستی کی باکمال زندگی کا روشن باب ہے جس نے دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں میں بڑے بڑے سربراہان کی میزبانی میں وقت گزارا، اور اپنی زندگی کے ہر قیمتی لمحہ کو اپنی بے لوث خدمات سے جہاں بھر میں منور کیا، اللہ نے بھی اپنے اس برگزیدہ بندہ کو خوب اعزاز واکرام سے نواز کر اپنے پاس بلایا۔ لاکھوں انسانوں کا سمندر اپنی مغفرت اور بخشش کی نیت سے دلوں کے سکندر کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور فانی جہان سے منزل ابدیت کی طرف رخصت کیا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اگر چاہتے تو آج دنیا کی کون سی سہولت، کون سی نعمت، کون سی آسائش کو حاصل نہیں کرسکتے تھے، اور وہ بھی بالکل جائز رقم سے، کیونکہ ان کے ایک اشارہ پر لوگ کروڑوں نچھاور کردیتے تھے۔ اور آپ کے وہی عقیدت مند آپ کو ذاتی استعمال کیلئے بھی رقم دے سکتے تھے۔

لیکن قربان جائیں حضرت بنوری رحمہ اللہ پر جنہوں نے اپنی تربیت سے اپنے بعد والوں کو ایک سبق اور ایک درس یاد کرادیا تھا، جس کو ان کے بعد والوں نے اچھی طرح سمجھا اور عمل کرکے دنیا میں دین کی خدمت کرنے والوں

کیلئے ایک مثال اور نمونہ بن کر چمکے اور تمام سعادتیں اپنے حق میں مقدر فرما گئے۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ نے جو نکتہ سمجھایا وہ یہ تھا کہ "مدرسہ چلانے والوں کیلئے دو عذابوں میں سے ایک عذاب پکا ہے یا یہاں دنیا میں وقتی آسائشیں وراحتیں حاصل کرلی جائیں اور آخرت میں ان کا حساب دینے کیلئے عذاب کے مستحق بن جائیں اور یا پھر دنیا کی تکالیف، سختیوں، آزمائشوں کو عذاب کی صورت میں گزار کر آخرت کی ابدی کامیابی کو اپنے حق میں مقدر کرلیں"

حضرت بنوری رحمہ اللہ کے اس قول کی مکمل پاسداری ان کے عظیم روحانی فرزند حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے پیش روؤں کی مانند اپنے عمل سے کر کے بتادی۔ مشقتوں وتکالیف اور عزیمت کا سامنا کیا۔ مگر مجال ہے کہ آج تک کسی کو انہوں نے کچھ کہا ہو.....

ہر مصیبت کا دیا اک تبسم سے جواب
اس طرح گردش دوراں کو رلایا میں نے
ان آنسوؤں کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا
جن آنسوؤں میں ہم نے تبسم سمو دیئے

آپ ہر وقت صبر وشکر کا پیغام وفاء دیتے رہے اور اپنے فیض یافتہ تلامذہ وخدام کو "فکر بنوری" کی وصیت اور تلقین فرماتے فرماتے چلے گئے۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کا مذکورہ مشہور مقولہ حقیقت میں "فکر بنوری" پر گامزن ان کے تمام متوسلین وعقیدت مندوں کیلئے ایک بہترین لائحہ عمل ہے، خصوصا ایسے حالات میں جب "حب مال" اور "حب جاہ" کا فتنہ عروج پر ہے۔ دینی اداروں کی کثرت تو یقیناً ہو رہی ہے لیکن ان سب میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے ملفوظ کی روشنی میں کتنا عمل ہو رہا ہے؟؟ اس کیلئے یقینی فکر اور بیداری کی ضرورت جتنی آج کے دور میں ہے شاید اس سے قبل کبھی رہی ہو۔

الحمدللہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے زریں اصول کی پاسداری میں آج بھی جامعہ بنوری ٹاؤن اور اس سے "حقیقی" وابستگی رکھنے والے سب سے نمایاں نظر آئیں گے۔ اور مقام شکر ہے کہ باوجود سہولیات وآسائشوں کی فراوانی کے حضرت بنوری رحمہ اللہ کی نسبی اولاد آج بھی ان اصولوں پر سب سے زیادہ عمل پیرا نظر آئیں گے۔

ہمارے اکابر اپنے اسلاف کا نمونہ رہے ہیں اور انہی کی بے مثال وبے نظیر لازوال قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ عالمی سطح پر دینی مراکز ودینی زعماء کے خلاف ریشہ دوانیوں کے باوجود ان اداروں اور شخصیات پر لوگوں کا اعتماد برقرار ہے۔ اعتماد کی اس فضاء کو یوں ہی برقرار رکھنے کیلئے انتہائی محتاط رویہ کی اشد ضرورت ہے۔

بے ضرر انسان.....مرنجاں مرنج شخصیت:

اپنی پوری زندگی میں "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" جیسا بے ضرر انسان نہیں دیکھا، کسی کو اپنی ذات سے تکلیف تو دور کی بات بلکہ زبان سے اذیت دیتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی ان کی مجلس میں کسی کے بارے کبھی بدگوئی کرتے یا بدگمانی کرتے ہوئے دیکھا۔ اگر کوئی غیبت یا بدخوئی کی کوشش کرتا تو "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" حکمت سے گفتگو کا موضوع بدل دیتے۔

آپ پیکر جمال ہستی تھے، حلم و بردباری اور نرم مزاجی کا استعارہ تھے۔ آپ ایسی پرکشش شخصیت تھے کہ جو بھی آپ سے ایک بار مل لیتا وہ بار بار ملنے کی تمناء وحسرت کرتا۔ آپ کی یہی محبوبیت یہی ملنساری برسوں دیکھی۔ آپ 1977ء میں جامعہ کے "ناظم تعلیمات" کے منصب پر فائز ہوئے، اس عہدہ پر تقریباً پندرہ برس سے زائد رہے۔

بانی جامعہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے زمانے سے جامعہ کے دفتر اہتمام میں نشستوں کی ایک مخصوص روایتی ترتیب چلی آرہی ہے جو آج بھی عین اسی ترتیب کے مطابق ہے۔ ہم نے نشستوں پر بیٹھنے والی چار نابغہ روزگار ہستیوں کو دیکھا، وہ مسندیں تو آج بھی آباد ہیں لیکن وہ "چار" مسند نشین چلے گئے۔

اس دفتر اہتمام میں داخل ہوتے ہی چالیس برس قبل کا ایک منظر سامنے آجاتا ہے، اس دفتر میں جب داخل ہوں تو بائیں جانب مغربی سمت میں "مہتمم" اس کے ساتھ متصل "ناظم تعلیمات" اور اس کے بعد مشرقی سمت میں "نائب مہتمم" کی مخصوص نشستیں ہیں۔ ہال نما بڑے سے دفتر اہتمام کی ان نشستوں کے سامنے معاونین اور دفتر اہتمام کے امور سے متعلق منتظمین وخدام کی نشستیں ہیں جبکہ ان دو اطراف کی نشستوں کے درمیان مہمانوں اور اساتذہ کے بیٹھنے کی فرشی نشستیں لگی ہوئی ہیں۔ جامعہ کے تعلیمی اوقات میں اس دفتر میں مسلسل آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ چالیس برس قبل "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" بحیثیت "ناظم تعلیمات" اپنی مختص نشست پر تشریف فرما ہوتے، جیسے ہی کوئی طالبعلم اپنی درخواست لیکر دفتر کے دروازہ میں داخل ہوتا تو حضرت رحمہ اللہ فوراً اپنی جیب سے قلم نکال لیتے، طلباء کو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی مشفقانہ طبعیت اور ملنساری و بردباری کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا، اگر کسی کو ایک ہفتہ کی چھٹی درکار ہوتی تو وہ دس دن اپنی درخواست پر لکھتا، اور کسی کو تین دن کی ضرورت ہوتی تو وہ ایک ہفتہ لکھتا، حضرت درخواست ہاتھ میں لیتے ہی دستخط فرماتے ہوئے انتہائی دلرباء انداز میں نصیحت کرتے ہوئے وقت کی پابندی کے ساتھ آنے کی تاکید اور دس دن کو ہفتہ اور ہفتہ کو تین دن لکھ دیتے۔۔۔ احباب خوب جانتے ہیں کہ جامعہ میں اضافی چھٹی لینا کتنا دشوار کام ہوتا ہے۔ پہلے اس نظام کے تحت تین دن تک کا اختیار "ناظم

دارالاقامہ" کو ہوتا تھا اور اس سے اوپر کیلئے "ناظم تعلیمات" کے دستخط سے ہی رخصت منظور ہوتی تھی۔ جبکہ اب درجات اور تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ہر درجہ کے الگ نگران متعین ہیں، وہ بھی محدود وقت تک رخصت دینے کے مجاز ہیں جبکہ تین دنوں سے زیادہ کی رخصت آج بھی "ناظم تعلیمات" ہی دیتے ہیں۔۔

"حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" جیسی مشفق ومہربان، محبوب ومرنجان ہستی اب کسی کو کہاں ملے گی۔۔۔

ڈھونڈو گے گر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم، اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

طلبہ کو "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" کی نرم مزاجی کے کئی پہلو معلوم تھے، بلکہ یہ کہہ لیں کہ ان کی کمزوری معلوم تھی، جس میں ایک کمزوری شادی شدہ طلباء کو اضافی چھٹی ملنا یقینی ہوتا۔ اور "حضرت" ان طلبہ کو خاموشی سے مٹھی میں رقم بھی دیتے اور اگر جامعہ کے دیگر منتظمین کہتے کہ حضرت آپ نے زیادہ چھٹی دیدی ہے تو فرماتے کہ "پڑھائی ضروری ہے لیکن حقوق کی ادائیگی بھی فرض ہے" وغیرہ وغیرہ۔

ہمیشہ بانٹنے والا ہاتھ:

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک درد دل رکھنے اور الفتیں، محبتیں، شفقتیں نچھاور کرنے والی ہر دلعزیز محبوبانہ شخصیت تھے۔ آپ کا یہ اعلی اخلاقی ومثالی کردار ہر عمر کے لوگوں کیلئے تھا۔

آپ اکثر واسکٹ زیب تن فرماتے، اس واسکٹ کی جیبوں میں بچوں کیلئے ٹافیاں مستقل موجود ہوتیں۔ کہیں آتے جاتے اگر راستہ میں بچے مل جائیں تو حضرت بڑے ہی پیار اور شفقت سے ان کو ٹافیاں دیتے۔ چند برس قبل جب آپ کو جامعہ کے باہر کہیں تشریف لے جاتے ہوئے کئی بار دیکھا اگر راستہ میں کوئی فقیر یا مانگنے والا نظر آتا تو "حضرت" بند مٹھی سے اس کو لازمی کچھ دیدیتے۔ راقم نے پاکستان میں تو کئی بار اس کا مشاہدہ کیا لیکن حرمین کے سفر میں بھی مستقل ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتے ہوئے دیکھا۔

ایک بار آپ کی ہمراہی میں جامعہ کے مغربی گیٹ (جنازگاہ والے گیٹ) سے نکل کر سامنے اساتذہ کے گھروں کی جانب جاتے ہوئے گیٹ پر ایک مانگنے والے کو کچھ دیئے تو ایک دم چار پانچ اور بھی آگئے تو حضرت نے بڑی حکمت سے چلتے چلتے جیب سے نکال کر سب کو دیئے، اس وقت ہمارے ساتھ جامعہ دو اساتذہ بھی ساتھ تھے، ان میں سے ایک نے حضرت سے فرمایا کہ یہ تو پیشہ ور بھکاری ہیں ان کو کیا دینا صحیح ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ "بھائی ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں، ہم جو دیکھ رہے ہیں اس وجہ سے اگر تھوڑا سا دیدیں تو بڑے اجر کے مستحق ہونگے، باقی اگر وہ

غلط ہیں تو وہ خود اللہ کی پکڑ میں آئیں گے "اور ایک خوبصورت جملہ فرمایا کہ "اللہ کا بہت بڑا شکر ہے کہ اس نے ہم کو کچھ دینے والا بنایا ہے ورنہ ہم بھی ان لوگوں کی طرح اللہ کے بندے ہیں، اللہ کی ان نعمتوں کے شکرانے کے طور پر اس کی رضاء کی نیت سے دیدینا چاہئیے، اور اللہ کے یہاں کس کا کیا مقام ہے ہمیں نہیں معلوم ممکن ہے کہ اللہ تعالی ہمارے امتحان کیلئے ان لوگوں کو ہمارے سامنے لاتے ہوں، اس لئے جو توفیق اللہ نے دی ہے وہ تعاون کرنا چاہیے۔" سبحان اللہ!۔

"حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" ابھی چند ماہ قبل تک ہفتہ میں دو یا تین دن جامعہ کی مسجد میں نکاح بھی پڑھاتے، اس میں بعض مرتبہ جامعہ کے طلباء یا متعلقین میں سے کسی نے آپ سے وقت لیا ہوتا تو آپ مختصراً بیان بھی فرماتے اور نکاح بھی پڑھاتے۔ احباب خوب واقف ہیں کہ جامعہ میں جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو کئی کئی نکاح ہوتے ہیں۔ اب "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" جس ایک نکاح کیلئے تشریف لاتے تو امام صاحب ان کے احترام میں دیگر نکاح نہیں پڑھاتے تھے، تمام نکاح کے ایک خطبہ کے بعد ایجاب قبول بھی آپ فرماتے۔ حضرت بیان شروع کرنے سے قبل جو دولہا آئے ہوئے ان میں سے اگر کوئی بغیر ٹوپی یا (مروجہ) عمامہ نہیں پہنا ہوتا تو "حضرت" اپنی واسکٹ کی جیب سے جالی والی ٹوپیاں نکال کر وہ ان سب کو دیتے۔

اس طرح ہم نے کئی نکاح کی تقریبات میں شرکت کی ہے ان بیانات میں آپ حقوق کی ادائیگی، اس کی اہمیت اور معاشرہ پر اس کے اثرات پر بہت جامع گفتگو فرماتے، آپ کا انداز بیان تصنع سے پاک انتہائی سادہ اور عام فہم ہوتا کہ سننے والوں کے دلوں میں نقش ہو جاتا۔

قریبی حضرات کے نکاح کے بعد آپ شادی، نکاح اور تربیت سے متعلق اہم اسلامی کتب کا تحفہ بھی دیتے اور اس کے پڑھنے کی خوب ترغیب بھی دیتے۔

متاثر کن انداز بیاں:

آپ کے عمومی اصلاحی بیانات ملک کے مختلف علاقوں سمیت بیرون ملک کے اسفار میں بھی کئی بار سننے کی سعادت ملی، ہر بار "حضرت رحمہ اللہ" کی بے تکلفانہ باتیں قلب و دماغ میں ایسی نقش ہو جاتیں کہ جیسے ہم پہلی بار یہ بات سن رہے ہوں۔ اگرچہ وہ باتیں اکثر "حضرت" سمیت دیگر مشائخ سے بھی سن چکے ہوتے تھے۔ لیکن آپ کے بیان میں تازگی کا عجیب احساس ہوتا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی باتیں اخلاص اور درد دل سے نکلی ہوئی ہونے کی وجہ سے انتہائی متاثر کن ہوتیں۔

آپ عمومی اصلاحی بیانات میں سب سے زیادہ حقوق کی ادائیگی، صلہ رحمی، ادب واحترام، پر زور دیتے۔ بیرون ملک میں راقم نے آپ کو اکثر مذکورہ نکات کے ساتھ "پڑوسیوں کے حقوق" اور "اکابر پر اعتماد" سمیت "اختلاف و انتشار سے بچنے" کے موضوعات پر اکثر بیانات سننے کا اتفاق ہوا۔

دینی اداروں ومراکز دینیہ سے تعاون پر آپ جس درد اور دلنشیں انداز میں وعظ فرماتے وہ ہر ایک کیلئے جہاں مفید ہوتا وہیں انتہائی متاثر کن بھی ہوتا۔

یورپ کے ایک ملک میں "حضرت" رحمہ اللہ کا مدارس دینیہ سے تعاون کی ترغیبی گفتگو پر ہمارے ایک عزیز نے کثیر رقم (تقریبا پاکستانی ایک کروڑ اور وہ بھی تقریبا پندرہ سولہ برس قبل) "حضرت" کو جامعہ بنوری ٹاؤن کیلئے دینا چاہی تو حضرت نے فرمایا کہ "بھائی میرے جو بیرون ممالک کے دورے ہوتے ہیں وہ کبھی بھی جامعہ کیلئے چندے یا تعاون کیلئے نہیں ہوتے، اور ویسے بھی ہمارے حضرت (بنوری رحمہ اللہ) نے مروجہ طریقہ سے ادارہ کیلئے چندہ مانگنے سے سختی سے منع فرمایا ہے، حضرت (بنوری رحمہ اللہ) فرمایا کرتے تھے کہ ہم دینی امور کی انجام دہی میں ایک حد تک مکلّف ہیں، اگر کام ہمارے بس سے باہر ہو رہا ہے تو دین اور دینی شخصیات کو دنیاداروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے بجائے اللہ سے مانگنا چاہیے" اور مزید فرمایا کہ "یہ تو توکل کے بھی خلاف ہے، البتہ ہم اللہ ہی سے مانگیں جس کے قبضہ قدرت میں لوگوں کے دل ہیں وہی اپنے نیک بندوں کے دلوں میں ان اداروں سے تعاون کا جذبہ پیدا کردے"..... اور حضرت (بنوری رحمہ اللہ) کا یہ معروف مقولہ بھی ارشاد فرمایا کہ "مدارس دینیہ کے امت پر جہاں کئی احسانات ہیں اس میں ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ ہم ان کی زکوٰۃ، صدقات اور دیگر مد والی رقوم کو صحیح مصرف وکام میں استعمال کرتے ہیں۔"

بہرحال "حضرت" نے ہمارے ان عزیز کو بتایا کہ "آپ اگر جامعہ کو وہ رقم دینا چاہتے ہیں تو وہاں مروجہ طریقہ کار کے تحت ارسال کردیں آپ کو وصولی کی رسید بھی بھیج دی جائے گی"۔

دردِ دل سے معمور ہستی:

آپ کی فطری نرم مزاجی کے حوالہ سے ہمارے محترم حضرت مولانا امداداللہ یوسف زئی مدظلہ العالی (ناظم تعلیمات واستاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاون، ناظم وفاق المدارس سندھ) نے آپ کی رحلت پر ہونے والے اجتماع میں یہ واقعہ سنایا کہ تقریبا بیس برس قبل حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید اور حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمہم اللہ کے ساتھ کیماڑی میں بذریعہ کشتی کے مچھلی کے شکار کیلئے گئے، جس میں دیگر حضرات بھی موجود تھے، ایک مچھلی

جال کے ذریعہ پکڑی اور اس کو کشتی میں موجود پانی میں ڈالا جو تڑپ رہی تھی اور تھوڑی دیر میں اس کو پکانے کیلئے کاٹنا تھا اور وہ تڑپ رہی تھی" حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" نے جب یہ منظر دیکھا تو کہا کہ "اللہ کے بندو جب اس کو کاٹنا ہے تو اتنی تکلیف کیوں دے رہے ہو" یعنی جیسے ہی پانی سے اس کو پکڑو تو کوشش کرو کہ جلدی ٹھنڈی ہو جائے اور اس کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔

اندازہ لگائیں کہ جو شخص کسی جانور کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکتا ہو وہ اشرف المخلوقات انسان کو کسی بھی طرح اذیت دینے کا سوچ سکتا ہوگا.....؟؟؟۔

"حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" رقیق القلب ہستی تھے، اپنے اعزہ واقارب اور تلامذہ کی تکلیف یا پریشانی کا سن کر دکھی ہو جاتے، راقم نے زندگی کے مختلف مواقع پر کئی بار مشاہدہ کیا ہے، اور اب آخری چند سالوں سے تو صورتحال یہ تھی کہ اکثر حادثات کی اطلاعات اور خبریں آپ کو مختلف مراحل میں بتدریج دی جاتی تھیں۔ یہ حادثات گھر کے ہوں خاندان کے ہوں یا تلامذہ اور ادارہ سے متعلق ہوں، حضرت رحمہ اللہ انتہائی غمزدہ ہو جاتے اور آپ پر اس کیفیت کا اثر کافی عرصہ تک رہتا۔

آپ فطری طور پر اتنے نرم دل ہونے کے باوجود جب صبر کی تلقین فرماتے تو یقینی حوصلہ مندی کا بڑا باعث بن جاتا۔ "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" کے اسی اعلیٰ وصف کا اثر تھا کہ آپ کے سانحہ رحلت کے غم و درد سے پر ماحول میں اہل خانہ سمیت آپ سے محبت وعقیدت رکھنے والوں کو اللہ نے حوصلہ وصبر کے دامن سے باندھے رکھا۔ خصوصا ھمارے بھائی سعید اسکندر سلمہ اللہ جو "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ' کی مانند انتہائی رقیق القلب اور نرم مزاج ہیں۔ اللہ تعالی ہمارے "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" کے اوصاف حمیدہ سے متصف ومرقع پاکیزہ اعمال وافعال سے ہم سب کو جوڑے رکھے، اور آپ کی تعلیمات پر ہم سب کو عمل پیرا ہونے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے۔ آمین

محبوبیت زمانہ:

عزیز از جان پیارے بھائی جان صاحبزادہ مولانا پیر عزیز الرحمٰن رحمانی حفظہ اللہ کا "علامہ بنوری حج اینڈ عمرہ سروسز" ایک قدیم حج گروپ ہے۔ اس گروپ میں پاکستان کے کئی اکابر ومشائخ گزشتہ بائیس تیئیس سالوں سے ان کے ساتھ اس مبارک سفر میں رہے ہیں، "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" نے اپنے آخری دو حج کے مبارک اسفار میں ایک مکمل حج اور ایک مختصر ایام کیلئے ان کے ساتھ تھے۔

جس میں ایک سال تو آپ سعودی شاہی مہمان کے طور پر تشریف لے گئے تھے اس کے باوجود بھائی جان مدظلہ کی درخواست پر ان کے یہاں بھی تشریف لائے۔ مذکورہ دونوں اسفار کے کئی یادوں کا ذکر اکثر "بھائی جان" فرماتے رہے ہیں، انہوں نے بتایا کہ ایک سال "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" کو عزیزیہ سے مکہ طواف زیارت کیلئے ویل چیئر پر لے جارہے تھے، احباب بخوبی واقف ہیں کہ ان دنوں کس قدر شدید ہجوم ہوتا ہے۔ اس رش میں ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" سے مصافحہ کر کے بوسہ لیا اور کچھ دیر عربی میں گفتگو کرتا رہا، حضرت بھی توجہ سے اس کی بات سن کر جواب دیتے رہے، بھائی جان مدظلہ نے کہا کہ ہم سمجھیں کہ یہ شخص "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" کا کوئی جاننے والا ہے، لیکن کچھ دیر بعد جب وہ شخص واپس چلا گیا تو "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" نے کہا کہ "اس شخص کے گھر میں کچھ پریشانی ہے دعاؤں کیلئے کہہ رہا تھا، میں نے اس کو پڑھنے کیلئے وظیفہ بتایا اور اس کیلئے ابھی حرم میں جا کر دعاء بھی کروں گا".....سبحان اللہ!۔

اس شخص کا تعلق کسی عرب ملک سے تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کی یہی پرکشش محبوبانہ شخصیت تھی کہ ہزاروں افراد کے ہجوم میں لوگ ان کو دیکھ کر ان سے قلبی وارفتگی اور عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔

راقم کی وساطت سے کئی دوستوں کی پہلی ملاقات "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے ہوئی۔ اور پہلی ملاقات میں ہی اکثر حضرات ان کی مسحور کن، مشفقانہ ومحبوبانہ شخصیت سے عقیدت مند بن گئے، اور بار بار ملنے کی تمناء اور حسرت کرتے رہے، ملک وبیرون ملک آپ کے کئی عقیدت مندوں کو عشق ومحبت کے جذبات میں ڈوبا ہوا دیکھا۔

آپ کے منور وتابندہ حسین وجمیل چہرے سے بھی اللہ نے آپ کو باوجاہت وباوقار صورت بنایا تھا جو بھی ملتا قلبی سکون اور روحانیت کا خوشگوار احساس پاتا۔

ظاہری حسن والی کئی شخصیات کو دیکھا ہے لیکن اعمال کی کمی کی وجہ سے ان کے چہروں پر وہ رونق نہیں ہوتی جو اولیاء اللہ کی عبادات واعمال سے ان کے چہروں پر نورانی چمک اور برستے انوارات ہوتے ہیں۔ ان ہی پرکشش وباصفاء ہستیوں میں ہمارے محبوب "حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ" تھے، جو دیکھتا اس کا دل چاہتا کہ وہ دیکھتا ہی رہے۔

الحمدللہ ہم کو اپنے عظیم مادر علمی جامعہ بنوری ٹاؤن کی نسبت کے طفیل ایسی کئی ہستیوں کی زیارت سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور قلبی سکون کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اللہ تعالی اپنے ان برگزیدہ بندوں کے طفیل ہم کو ان کے نقش قدم پر چلائے اور آخرت میں بھی ان کا ساتھ مقدر فرمائے۔ آمین

پیکر حسن و جمال:

آپ حلیم الطبع، ملنسار، بردبار اور شفقت ومودت کے پیکر تو تھے ہی لیکن اللہ نے آپ کو ظاھری حسن کے ساتھ کئی باطنی خوبیوں سے بھی نوازا ہوا تھا، آپ کرشماتی حسن و جمال کا سراپا تھے۔ حقیقت میں نورانیت وروحانیت کی حسیں مثال تھے، آپ اعلی اخلاقی قدروں کی مثال اور نمونہ تھے۔۔۔ جو بھی ملتا آپ کا گرویدہ ہوجاتا اور بار بار ملنے کی تمنا وحسرت کا اظہار کرتا۔

ایسے کئی مواقع کا راقم کو مشاہدہ ہوا جب زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کو آپ سے ایک ہی ملاقات میں عقیدت ہوگئی۔ آپ ہر ملنے والے سے اپنائیت اور ملنساری سے ملتے ہوئے اکرام بھی ضرور فرماتے۔ دور دراز سے آپ کی زیارت کیلئے آنے والے آپ کے تلامذہ ومہمانوں کو اکثر اپنی کتب اور عطر گلاب کا ھدیہ بھی پیش کرتے۔

آپ کا حسین وجمیل روشن اور چمکدار چہرہ آج بھی نظروں میں بسا ہوا ہے، زیر لب باوقار مسکراہٹ سے آپ کا منور سراپا طمانیت وسکون کا ایسا احساس دلاتا کہ سب غم کافور ہوجاتے۔

درمیانہ مناسب قد، بھرا ہوا خوبصورت معتدل جسم، سفید لباس میں ملبوس سر پر سفید جالی دار ٹوپی (جبکہ سفر میں اکثر سرمئی رنگ کی قراقلی پہنتے) پاؤں میں (اکثر) براؤن رنگ کی چپل (سفر میں جوتے اوپر ترکی اسٹائل کا شیروانی نما جبہ) کھلتے گلاب کی مانند خوبصورت سفید گورے چہرہ پر سرمئی بڑی آنکھوں پر نفیس قسم کا چشمہ پہنے، متانت اور وجاہت سے دھیمے قدموں سے چلتے (گزشتہ تیس برسوں سے ھاتھ میں عصاء بھی ہوتی) آخری چار پانچ برسوں سے گھٹنوں کے شدید عارضہ کی بناء پر اگر زیادہ چلنا ہوتا تو ویل چیئر پر تشریف لے جاتے، چلتے ہوئے گفتگو فرماتے تو دل چاہتا کہ وقت تھم جائے۔۔۔۔ اس پیکر جمال کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، قلب مسرور وفرحاں ہوجاتا۔

آہ..... حسن سیرت سے جگمگاتا وہ پیکر جمال آج بھی جامعہ کی رر مسند اور ہر راہ پر دل کی حسیں تخیلاتی دنیا میں بسا ہے لیکن ظاھری طور پر اسی ادارہ کے ایک "گوشہ خاص" میں آرام فرما ہیں.....

بچھڑی ہوئی راہوں سے جو گزرے ہیں کبھی ہم
ہر گام پہ کھوئی ہوئی اک یاد ملی ہے
کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید غلام نبی شاہ صاحبؒ

مولانا غلام مصطفیٰ رفیق

مورخہ ۳ جولائی ۲۰۲۱ء مطابق ۲۲ ذالقعدہ ۱۴۴۲ھ کو ملک کے نامور عالم دین، ہزاروں علماء ومشائخ کے استاذ ومربی، جمعیت علمائے اسلام مانسہرہ کے سرپرستِ اعلیٰ، جامعہ عربیہ سراج العلوم جبوڑی وجامعہ سید احمد شہیدؒ ٹھاکرہ مانسہرہ کے بانی ومہتمم، یادگارِ اسلاف، معتمدِ اکابر، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید غلام نبی شاہ صاحبؒ اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ خاندانِ سادات سے تعلق رکھتے تھے، ء میں بٹل کے قریب ایک گاوں کھن میں آپ کی ولادت ہوئی، مختلف اداروں میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے ۱۹۶۳ء دورہ حدیث جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ سے کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا رسول خان ہزاروی، مولانا قاضی شمس الدین، مولانا قاضی عصمت اللہ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، مولانا سرفراز خان صفدرؒ شامل ہیں۔ آپ کے استاذ مولانا رسول خان ہزارویؒ اور مولانا قاضی شمس الدینؒ دارالعلوم دیوبند میں بھی مدرس رہے ہیں۔ آخر الذکر کو علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ حضرت قاضی صاحبؒ سے ہمارے بہت سارے اکابرین نے کسبِ فیض فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کتبِ احادیث حضرت قاضی شمس الدینؒ سے اور قرآن کریم کی تفسیر مولانا غلام اللہ خانؒ سے پڑھی۔ فاتحہ فراغ پڑھنے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے کسی شہر یا معروف مقام میں امامت وخطابت یا تدریس کی بجائے اپنی محنتوں کا محور ایک ایسے دیہاتی علاقے کو بنایا، جو ہر اعتبار سے انتہائی پسماندہ تھا، علاقائی رسوم ورواج کا وہاں غلبہ تھا، مزاجاً لوگوں میں سختی پائی جاتی تھی۔ یہ پہاڑی علاقہ جبوڑی تھا، جو مانسہرہ شہر سے تقریباً چالیس کلومیٹر دور واقع ہے۔ یہاں پہاڑوں کے بیچوں بیچ آپ نے ایک ادارے کی بنیاد رکھی، دینی تعلیم اور نمازوں کے بعد درسِ قرآن وحدیث کا سلسلہ شروع فرمایا۔ آپ کی محنت نے اس علاقے ہی کا نہیں، بلکہ ہزارہ ڈویژن کا رُخ بدل دیا، لوگوں کو رسوم ورواج کی پابندی کی بجائے دین اور سنتوں کا پابند بنا دیا، دینی شعور بیدار کیا، دینی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کیا، اور جلد ہی اس فردِ واحد کی محنت نے اس ادارے کو جامعہ عربیہ سراج العلوم کے نام سے علمی دنیا میں متعارف کروا دیا۔ ابتدائی درجات سے اس ادارے کا آغاز ہوا اور دورہ حدیث

تک جا پہنچا۔ یہاں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہوئیں، اور ایک نہایت ہی پسماندہ بستی میں علمی دنیا آباد ہوگئی۔ یہاں آپ نے ایک وسیع لائبریری بھی قائم کی، جس میں تفسیر، حدیث، فقہ سمیت دیگر موضوعات کی ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ بڑی محنت سے آپ نے جمع فرمایا۔ یہ لائبریری آج بھی موجود ہے۔ شہر سے دور اس پہاڑی علاقے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی اس محنت کو سراہتے ہوئے بہت سے علماء ومشائخ، اکابرین اُمت کی تشریف آوری شروع ہوئی، جن میں حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، مولانا غلام غوث ہزاروی، مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود، خواجہ خواجگان خواجہ خان محمد، مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مفتی نظام الدین شامزی شہید رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔ آپ کا یہ ادارہ ہزارہ ڈویژن میں دینی تعلیم وتربیت کے لحاظ سے نمایاں اور ممتاز مقام رکھتا ہے، ساتھ ساتھ یہ ادارہ لوگوں کے مسائل و تنازعات کے حل کے لیے بھی بنیادی مرکز ہے۔ ہم بچپن سے سنتے اور دیکھتے چلے آئے ہیں کہ دور دراز کے علاقوں میں اگر کہیں کوئی تنازع کھڑا ہوتا تو شرعی حل اور تصفیہ کے لیے لوگ میلوں سفر کر کے جامعہ عربیہ سراج العلوم جبوڑی حاضر ہوتے اور اپنے معاملات شریعت کے مطابق حل کرواتے۔

۱۹۶۴ء کے بعد اُٹھنے والی دینی تحریکات میں اس ادارے اور حضرت شاہ صاحبؒ کا بنیادی کردار رہا ہے، ان تحریکات میں ہزارہ کی سطح پر مرکزی کردار ادا کرنے کی پاداش میں حضرت شاہ صاحبؒ چند ماہ ہری پور جیل میں اپنے اکابر کے ساتھ قید بھی رہے۔ ہزارہ میں بہت سے فتنوں کی راہ بھی آپ نے مسدود کی، قادیانیت نے اس علاقے میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کیے اور ڈاڈر کے مقام پر ان کا اثر ورسوخ بڑھنے لگا تو ان کے قلع قمع کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ بذات خود اپنے ادارے کے افراد، طلبہ سمیت بسیں بھر کر وہاں پہنچ گئے اور ان کا ایسا صفایا کیا کہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں سے ختم ہوگیا، وہاں کے مسلمان ان کے شکار بننے سے محفوظ رہے، اور الحمدللہ آج تک اس خطے میں ان کا نام ونشان موجود نہیں۔ اس واقعہ کی دلچسپ روداد گزشتہ سال ایک ملاقات میں حضرت شاہ صاحبؒ کی زبانی ہمیں سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسی طرح ایک اور فتنے کی سرکوبی کی تفصیل میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک عجیب واقعہ یہ بھی سنایا کہ اس فتنے کی روک تھام کے لیے بطور برکت کے میں محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی جانب سے تحفۃً دی گئی چادر کو اپنے کندھے پر ڈال کر نکلا تھا اور اس تحفے کا پس منظر یہ تھا کہ مانسہرہ میں ایک جلسے میں حضرت بنوری رحمہ اللہ مدعو تھے، اور ان کا آخری خطاب تھا، حضرت شاہ صاحبؒ بھی جلسے کے مقررین میں شامل تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان جاری تھا کہ اتنے میں حضرت بنوریؒ تشریف لائے، اور کچھ دیر حضرت بنوریؒ نے حضرت شاہ

صاحبؒ کا بیان سنا، بعد ازاں بطور انعام کے حضرت بنوریؒ نے اپنی چادر اُتار کر حضرت شاہ صاحبؒ کو دے دی۔ حضرت بنوریؒ سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان کا ذکر جب بھی فرماتے تو آبدیدہ ہوجاتے۔ حضرت بنوریؒ کی اس نشانی کو ہمیشہ حضرت شاہ صاحبؒ نے سنبھال کر رکھا، اور فرماتے تھے کہ مشکل اوقات میں میں یہ چادر اپنے کندھے پر ڈال کر نکلتا ہوں، اللہ تعالیٰ کامیابی نصیب فرمادیتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ساری زندگی دین کی خدمت میں گزاری، اس راہ میں آپ نے بڑی مشقتیں اور پریشانیاں بھی اُٹھائیں، مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن عزم و ہمت پر کاربند رہے۔ طلبہ کرام سے آپ کی محبت دیدنی تھی، اور طلبہ بھی آپ پر جان نچھاور کرتے تھے۔ عوامی حلقوں میں آپ شاہ صاحب اور طلبہ کے ہاں ''باباجی'' کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا شاہ عبدالقادر مدظلہ کا بیان ہے کہ جامعہ عربیہ سراج العلوم میں ایک طویل زمانے تک باورچی خانے کا نظام نہیں تھا، ہماری والدہ (حضرت شاہ صاحب کی اہلیہ مرحومہ) تمام طلبہ کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے صبح و شام روٹیاں بنایا کرتی تھیں۔ اس طرح محنت و استقامت سے آپ نے اس ادارے کو پروان چڑھایا۔

اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلہ میں آپ کے اس ادارے کو شدید نقصان پہنچا، جس کے بعد آپ نے مانسہرہ شہر کے قریب ٹھاکرہ میں اپنے ادارے کی ایک شاخ جامعہ سید احمد شہیدؒ کو اپنا علمی مرکز بنایا اور طلبہ سمیت وہاں منتقل ہوئے، اور ساتھ ساتھ اس کے قریب معمولی فاصلے پر چنار روڈ مانسہرہ میں ایک اور عظیم الشان خوبصورت مسجد اور مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، اور اس کا نام اپنے قدیم اور محبوب ادارے جامعہ عربیہ سراج العلوم جبوڑی کے نام پر جامعہ عربیہ سراج العلوم رکھا۔

چند سالوں سے آپ کی رہائش بھی اسی تیسرے ادارے میں تھی، یہاں منتقل ہوجانے کے باوجود آپ کے دل میں آپ کے قدیم ادارے کی محبت اتنی رچی بسی تھی کہ ہر جمعہ بڑے اہتمام سے نمازِ جمعہ کی امامت و خطابت کے لیے مانسہرہ سے جبوڑی تشریف لے جاتے اور وہاں جامعہ عربیہ سراج العلوم میں خود جمعہ کا بیان بھی فرماتے، خطبہ دیتے اور امامت فرماتے۔

علاقائی ماحول اور لوگوں کی نفسیات سے بھی آپ خوب آگاہ تھے، اور جمعہ کے بیان میں بطور خاص ان باتوں کو بیان فرماتے جو معاشرتی اصلاح پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ عموماً دیہاتوں میں عورتوں کو وراثت میں حصہ دینا ضروری نہیں سمجھا جاتا، حضرت شاہ صاحبؒ اس موضوع پر کھل کر اظہار فرماتے، اور لوگوں کو اس ناانصافی اور ظلم سے آگاہ کرتے، عورتوں کو وراثتی حصہ دینے کا حکم فرماتے۔ دیہاتی ماحول کی سختی کی وجہ سے باہمی ناچاقیاں معاشرے میں

پھیلی ہوتی ہیں، یہ بھی آپ کے بیانات کا خاص موضوع ہوا کرتا تھا، صلہ رحمی کی خوب تاکید فرماتے، اس سلسلہ کی احادیث بیان فرماتے، اور سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے منقول یہ روایت: اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَاءِ بڑی کثرت سے ذکر کرتے اور یوں ترجمہ کرتے کہ :لوگو! زمین والوں پر، اللہ کی مخلوق پر، رحم کرو، عرش والا (اور اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی جانب اُٹھاتے) تم پر رحم کرے گا۔ اس موقع پر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحیمی ذکر کرتے۔

بچیوں کی پیدائش اور ان کی تربیت اور ان پر خرچ بھی آپ کی تقریر کا جزء تھا، لوگوں کو سمجھاتے کہ بیٹیاں رحمت ہوا کرتی ہیں، انہیں بوجھ مت سمجھا کرو، ایک ملاقات میں بندہ سے سوال کیا کہ اولاد ہے؟ بندہ نے جواب دیا کہ جی ہاں !الحمدللہ، فرمانے لگے کہ بیٹی ہے یا بیٹا؟ میں نے بتایا کہ پہلی اولاد الحمدللہ بیٹی ہے، اس پر بڑے خوش ہوئے، اور فرمانے لگے :جس کے ہاں پہلی اولاد بیٹی کی صورت میں ہو وہ انسان بھی سعادت منداور وہ گھر اللہ کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ دیکھیں !قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ الذُّکُوْرَ کہ ”اللہ تعالیٰ ہی کی ہے سلطنتِ آسمان اور زمین کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا عطا فرماتا ہے۔“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کی دَین میں بیٹی کا ذکر مقدم فرمایا ہے، اور بیٹے کا ذکر موخر فرمایا ہے، بیٹی کا ذکر میں مقدم ہونا اس کی فضیلت کی دلیل ہے۔ یہی ارشاد تفسیر قرطبی میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے، جس کی عبارت یہ ہے:

”وقال واثلة بن الاسقع :إن من يمن المراة تبكيرها بالانثى قبل الذكر، وذلك ان الله تعالىٰ قال: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ فبدا بالإناث .“

(تفسیر القرطبی، ج:۱۶،ص:۴۸، ط: دارالکتب المصریۃ، قاہرہ)

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے اکابر واسلاف کی فکر پر سختی سے کاربند رہے، اکابر کے منہج سے کسی بھی طرح کا انحراف اُنہیں گوارا نہیں تھا، کسی بھی معاملے میں غیر ضروری سختی اور تشدد کے بھی روادار نہیں تھے، ان کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھلے رہتے تھے، جس طرح ہمارے استاذ مکرم، شیخ المشائخ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ کی خدمت میں حاضری کو علماء، صلحاء، اور عوام اپنی لیے سعادت سمجھتی تھی، اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں حاضری کو اپنے اور پرائے، مذہبی وسیاسی قیادت، علماء وصلحاء، دینی جماعتوں کے قائدین وعہدیداران سبھی اپنی

سعادت سمجھتے تھے، اور شاہ صاحبؒ کی محبتیں اور شفقتیں سمیٹنے اور اُن کی دعائیں حاصل کرنے کے لیے ان کے آستانے پر حاضر ہوا کرتے تھے۔

آپ نے ''ملفوظاتِ اکابر'' کے نام سے ایک گلدستہ تیار کیا، جس میں اکابرینِ اُمت کے ملفوظات جمع فرمائے، آنے والے مہمانوں کو بڑے اہتمام سے یہ گلدستہ پیش فرماتے تھے، نیز قرآن کریم پر طائرانہ نگاہ کے نام سے سورہ فاتحہ سے سورہ اعراف تک قرآنی سورتوں کے مضامین کا مختصر بیان بھی مرتب فرمایا۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری سمیت دیگر کتب پر بھی انہوں نے علمی کام کیا، لیکن تا حال یہ مسودہ کی صورت میں ہے، اللہ کرے کہ ان کا یہ علمی کام طبع ہو کر دنیا کے سامنے آسکے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیک صالح اولاد سے نوازا، آپ کی پہلی اہلیہ مرحومہ سے آپ کے دو صاحبزادے ہیں، ایک مولانا شاہ عبدالقادر، اور دوسرے مولانا شاہ عبدالعزیز، دونوں صاحبزادے جامعہ اشرفیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہیں۔ ثانی الذکر معروف خطیب تھے، اندرون و بیرون ملک بڑے اہتمام سے انہیں دینی اجتماعات میں مدعو کیا جاتا تھا، اپریل کو ان کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال سے حضرت شاہ صاحبؒ بہت مغموم و رنجیدہ تھے، ہم جب مولانا عبدالعزیزؒ کے انتقال کے بعد تعزیت کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت شاہ صاحبؒ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہوگیا، بہت دیر بعد معمولی گفتگو کی اور فرمایا کہ: میرا سرمایہ مجھ سے جدا ہوگیا۔ بلاشبہ نیک صالح اولاد انسان کے لیے دنیا و آخرت کا حقیقی سرمایہ ہے۔ دوسرے صاحبزادے مولانا شاہ عبدالقادر مدظلہ آپ کے اداروں کے منتظم ہیں۔ پہلی اہلیہ سے دو بیٹیاں آپ کے پسماندگان میں شامل ہیں، دوسری اہلیہ سے بھی آپ نے ایک صاحبزادہ اور تین صاحبزادیاں لواحقین میں چھوڑی ہیں۔

اسلاف کا صحبت یافتہ، اسلام کا سچا داعی و سپاہی، محنتوں و مشقتوں کا خوگر، محبتوں اور شفقتوں کا پیکر، ختمِ نبوت کا یہ سچا عاشق، علم و عمل کا یہ آفتاب و ماہتاب بروز ہفتہ ۳ جولائی ۲۰۲۱ء مطابق ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ کو ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہوگیا۔ اگلے روز ٹھاکرہ اسٹیڈیم مانسہرہ میں آپ کے جنازے کی نماز ادا کی گئی، جس میں خلقِ خدا اُمڈ آئی۔ وفاق المدارس کی صوبائی قیادت سمیت، سیاسی و مذہبی راہنما، اور عوام کے جم غفیر نے آپ کے جنازے کی نماز پڑھی، اور چنار روڈ پر واقع آپ کے ادارے میں قبرستان کے لیے مختص جگہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ کی دینی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، ان کے قائم کردہ دینی اداروں کو ترقیات سے نوازے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

☆.....☆.....☆

وفیات

شیخ الحدیث مولانا محمد یٰسین صابرؒ:.....معروف علمی شخصیت استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یٰسین صابر ۱۶؍محرم الحرام ۱۴۴۳ھ/ ۲۵؍اگست ۲۰۲۱ء بروز بدھ صبح بوقت تہجد ملتان میں انتقال فرگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون!۔

آپ بیک وقت ملتان کے تین معروف اداروں جامعہ خیر المدارس، جامعہ قاسم العلوم اور جامعہ عمر بن خطاب کے شیخ الحدیث تھے۔آپ ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۹۴۷ء ضلع بھکر کی تحصیل دریا خان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کر کے آپ نے دینی علوم کی تحصیل کے لیے گوجرانوالہ، گجرات اور ملتان میں کبار علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔۱۹۷۲ء میں آپ نے جامعہ خیر المدارس سے سند فراغت حاصل کی۔اس کے بعد سے تقریباً پچاس برس آپ نے درس نظامی کی تدریس کی۔آپ معقولات ومنقولات میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔آپ کے شاگردوں میں نامور علماء شامل ہیں۔آپ کی رحلت سے تعلیم وتدریس کے میدان میں ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے۔آپ کی وفات پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم نے مولانا یٰسین صابر صاحب کی رحلت پر گہرے رنج کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تسلسل کے ساتھ ممتاز اور بزرگ علماء کرام کا دنیا سے رخصت ہونا قیامت کی نشانی اور ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔مولانا یٰسین صابر ایک ایسی ہستی تھے جو مرجع الخلائق تھے، اور علم حدیث کی تدریس وتحقیق کے حوالے سے سب کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھتی تھیں۔آپ کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلا کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔

ابو عبید مولانا محمد شریف ہزارویؒ:.....''دارالعلوم عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' تختہ بندسواڑی کے بانی اور مہتمم شیخ القرآن مولانا محمد شریف ہزاروی ۱۶؍محرم الحرام/ ۲۵؍اگست ۲۰۲۱ء کو انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون!۔

آپ ۱۹۶۰ء کو بٹگرام کے مشہور لشرخیل خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام عبدالقاہر ہے۔ابتدائی عصری تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔جبکہ دینی تعلیم کی ابتدائی کتب اصول الشاشی تک بٹگرام کے مولانا محمد جان، مولانا عبیداللہ سرخیلی بانڈہ، اور مولانا سید جعفر شاہ شیرازی بیلنکوٹ سے حاصل کی۔نحو وصرف کے علوم اپنے بڑے بھائی مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا نظام الدین سے حاصل کیے۔منطق، حکمت، علم البیان اور علم الکلام کی تحصیل ضلع مردان میں مولانا احسان اللہ سے کی۔دورہ حدیث شریف دارالعلوم اسلامیہ سوات سے پڑھا جہاں آپ کے اساتذہ میں شیخ رحیم اللہ، شیخ عبداللہ، شیخ زرداد صاحب، اور شیخ مولانا عبدالمجیدؒ المعروف بازارگے باباجی (جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے براہ راست شاگرد تھے) شامل تھے۔مولانا محمد شریف ہزاروی رحمہ اللہ چالیس سال تک درس وتدریس سے وابستہ رہے۔اور چالیس سال مسلسل دورہ تفسیر پڑھاتے رہے۔۲۵؍اگست کو آپ طویل علالت کے

بعد انتقال کر گئے۔آپ کی نماز جنازہ گورنمنٹ کالج کے وسیع گراؤنڈ میں ادا کی گئی،اور ہزاروں علماء وطلبہ اور عامۃ الناس نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔(مولانا عبدالحکیم،مسئول وفاق المدارس بونیر)

مولانا فیض الرحمٰن عثمانیؒ:.....ادارہ علوم اسلامی اسلام آباد کے بانی ومہتمم مولانا فیض الرحمٰن عثمانی ۱۵رمحرم الحرام /۲۴راگست ۲۰۲۱ءکو اسلام آباد میں انتقال کر گئے،اناللہ وانا الیہ راجعون!۔مولانا فیض الرحمٰن عثمانی کئی روز سے علیل اور ایک مقامی اسپتال میں زیر علاج تھے۔آخری دنوں میں وینٹی لیٹر پر تھے کہ دَست اجل نے آلیا۔آپ جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ممتاز ماہر تعلیم بھی تھے۔انہوں نے اپنے ادارے میں دینی اور عصری علوم کا ایک مشترکہ نصاب تیار کیا جسے وہ اپنے ادارے میں کامیابی سے چلا رہے تھے۔ان کے ادارے کے طلبہ نے ہمیشہ فیڈرل بورڈ کے امتحانات میں ٹاپ پوزیشنز حاصل کیں۔ادارہ علوم اسلامی کا فاضل بیک وقت عالم اور گریجویٹ ہوتا تھا۔ مولانا فیض الرحمٰن عثمانی کے جنازے میں ہزاروں علماء وطلبہ اور عام لوگوں نے شرکت کی۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد سرداز فیضی:.....جامعہ دارالقرآن رحیم آباد سوات کے شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد سرداز فیضی ۲۹راگست ۲۰۲۱ء بروز اتوار انتقال فرما گئے،انا للہ وانا راجعون!۔حضرت مفتی صاحب بلند پایہ عالم دین، کہنہ مشق استاذ،وسیع النظر فقیہ اور اسلاف کا نمونہ تھے۔آپ کا تعلق ضلع کوہستان لوئر کے علاقہ دوبیر سے تھا۔تحصیل علم کے لئے سوات کے مردم خیز خطہ میں حضرت مولانا خان بہادر صاحب المعروف مارتونگ باباجیؒ،حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بازارگے باباؒ،حضرت مولانا زرداد باباجی صاحبؒ،حضرت مولانا رحیم اللہ صاحبؒ اور دیگر اکابر واساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔گورنمنٹ دارالعلوم سیدو شریف سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے مادرعلمی سے تدریسی رشتہ قائم کیا۔تمام فنون پر کامل دسترس رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ اپنے اساتذہ کرام اور شیوخ کے ہاں منظور نظر رہے۔آپ سلیم الفکر اور جدید فقہی مسائل پر گہری نظر رکھنے والے عالم تھے۔آپ کے تحقیقی فتاویٰ، علمی اور فنی کتب آپ کی وسعت مطالعہ اور رسوخ علمی کے شاہد عدل ہیں۔علم میراث،عائلی مسائل،علم فلکیات کے بے مثال عالم تھے۔جب گورنمنٹ دارالعلوم سیدو شریف سے بحیثیت صدر ریٹائر ہوئے تو جامعہ دارالقرآن رحیم آباد سوات سے وابستہ ہوئے۔گذشتہ تعلیمی سال کی ابتداء سے آپ جامعہ دارالقرآن رحیم آباد سوات میں بحیثیت صدر وشیخ الحدیث اپنی فرائض نہایت محبت وشفقت سے ادا فرما رہے تھے۔عیدالاضحیٰ کی تعطیلات کے بعد جب واپسی ہوئی تو چند دن کے بعد طبیعت خراب ہوگئی۔بالآخر بروز اتوار بوقت ظہر ۲۹راگست ۲۰۲۱ء داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔(مولانا صدیق احمد مسئول وفاق المدارس العربیہ پاکستان سوات،ملاکنڈ)

تبصرہ کتب

☆تبصرے کے لیے دو کتابیں بھیجنا لازمی ہے
☆سو صفحات سے کم کتابچوں پر تبصرہ نہیں کیا جاتا
☆کتابیں مرکزی دفتر وفاق کے پتے پر ارسال کیجیے

مشاہدات قادیان

مصنف: مولانا عنایت اللہ چشتیؒ۔صفحات:413۔طباعت:عمدہ۔قیمت:850۔ملنے کا پتا: بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔03008020384

مجلس احرار اسلام نے حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں جب مرزائیت کا جماعتی سطح پر تعاقب شروع کیا تو قادیان میں شعبہ تحفظ ختم نبوۃ کے نام سے باقاعدہ مرکز بھی قائم کیا۔اس مرکز کو بسانے اور ترقی دینے والے اولین بزرگ حضرت مولانا عنایت اللہ چشتی رحمہ اللہ تھے۔قادیان میں مرزائیوں کی اکثریت تھی اور ان کی قادیان کے ماحول پر مکمل گرفت تھی۔ان کی منشاء کے خلاف کوئی سرگرمی انجام نہیں دی جاسکتی تھی۔قادیانی اپنے مخالفین کو دبانے کے لیے قتل تک سے گریز نہیں کرتے تھے۔ایسے ماحول میں احرار جیسی انگریز دشمن جماعت کا قادیان میں مرکز قائم کرنا اور مولانا عنایت اللہ چشتی کا اپنے رفقاء کے ہمراہ جم کر کام کرنا معنیٰ رکھتا تھا۔مولانا عنایت اللہ چشتی نے وہاں تقریبا آٹھ سال تک کام کیا۔اس دوران ان پر قاتلانہ حملے ہوئے اور کئی واقعات وحوادث بھی پیش آئے۔''مشاہدات قادیان'' انہی یادگار دنوں کی آپ بیتی اور جگ بیتی ہے۔مولانا عنایت اللہ چشتی رحمہ اللہ نے اس دور کے قادیان کا ماحول، قادیانیوں اور وہاں بسنے والی دیگر اقوام کے احوال، قادیان میں تبلیغی تحریکی کام اور اس کی مشکلات کو بہت اچھے انداز میں واضح کیا ہے۔مشاہدات قادیان عرصہ سے نایاب تھی اب ڈاکٹر عمر فاروق احراری نے اسے نئے انداز میں ترتیب وتدوین اور اضافی حواشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔کتاب اگرچہ قابل مطالعہ ہے لیکن اس کے صفحہ ۳۹۱ سے صفحہ ۴۰۰ تک حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا جو سراپا کھینچا گیا ہے وہ قاری کے لیے نہ صرف حیرت کا باعث ہے بلکہ ناقابل تحمل بھی ہے۔حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر شریعتؒ کے قابل فخر رفقاء میں سے تھے، انہوں نے جدوجہد آزادی برصغیر اور تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر جو غیر معمولی خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ان کے جیسے تقویٰ اور امانت ودیانت کی مثال نہیں ملتی۔حضرت جالندھریؒ کے بارے میں ان صفحات میں جو ناروا تاثر دینے کی کوشش کی گئی، موجودہ نسل کو اس سے کوئی غرض نہیں۔بہتر ہوتا کہ فاضل مرتب ومدون اس تمام قصے کو حذف کر دیتے، احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت

کے باہمی نزاع کو آگے منتقل نہ کرتے۔ یہاں عرض کرتے چلیں کہ اس کتاب سے دو رویے سامنے آتے ہیں، ایک مولانا عنایت اللہ چشتی مرحوم کا ہے، انہیں احرار کے شیعہ لیڈر مولانا اظہر علی اظہر نے نامناسب انداز میں کام سے سبکدوش کیا تو مولانا عنایت اللہ چشتیؒ کسی قسم کا شکوہ وشکایت کرنے کی بجائے خاموش ہوکر گھر بیٹھ گئے اور تمام عمر اس معاملے پر کبھی کوئی بات نہیں کی، کتاب میں بھی ایسا کوئی منفی تذکرہ نہیں ملتا، مگر دوسری جانب احرار کے ایک بزرگ کے قلم سے مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بے جا شکایات کا پورا دفتر کھول دیا گیا.....فیا اسفیٰ!

تسہیل بہشتی گوہر

ترتیب: مولانا حسین اسماعیل۔صفحات: 139۔طباعت: مناسب، کارڈ کور، ملنے کا پتا: المعترف کتابیات، احمد پور شرقیہ، رابطہ نمبر 0302-7617944

بہشتی گوہر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے جو ہمارے مدارس میں درس نظامی کے مبتدی طلبہ کے لیے داخل نصاب ہے، اگرچہ یہ کتاب اردو میں ہے مگر چونکہ اس کی بعض تعبیرات اور اسلوب تحریر آج کے زمانے میں نامانوس ہیں، اس لیے بقول مرتب طلبہ کو اس کے پڑھنے اور یاد کرنے کے دوران بے یقینی کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے، چناں چہ اس کے طویل جملوں کو مختصر کیا گیا ہے اور اردو بھی آسان کی گئی ہے۔اس لیے ''تسہیل بہشتی گوہر'' کو اصل کتاب کے ساتھ بطور معاون کتاب زیرِ درس رکھا جاسکتا ہے۔

المسک المشموم لایضاح الرحیق المختوم

تالیف: مولانا محمد شفیع صاحب۔صفحات: 165۔طباعت: مناسب، ملنے کا پتا: جامع مسجد مرتضویہ مجددیہ جی ٹی روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ۔

''الرحیق المختوم'' سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک معروف کتاب ہے۔عربی اور اردو زبانوں میں دستیاب ہے۔اس کے مصنف ایک غیر مقلد عالم ہیں۔انہوں نے اپنی کتاب میں بعض مقامات پر سیرت کے حوالے سے اپنی بعض منفرد آراء کا بھی اظہار کیا ہے۔زیر تبصرہ کتاب انہی تفردات کی توضیح اور علمی گرفت کا مجموعہ ہے۔مولانا محمد شفیع صاحب نے اس میں محققانہ انداز میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کو واضح کیا ہے۔

جن حضرات نے ''الرحیق المختوم'' کا مطالعہ کیا ہے، انہیں ایک مرتبہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔آغاز میں مولانا مفتی عبدالغفار صاحب مدظلہم، مولانا مفتی دوست محمد مزاری مدظلہم، مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہم، مولانا ظفر احمد قاسم مدظلہم کی تقریظات شامل ہیں۔